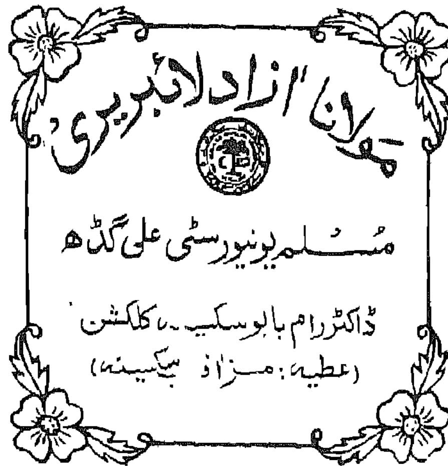

مولانا آزاد لائبریری
مسلم یونیورسٹی علی گڈھ
ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کلکشن
(عطیہ: مسز او سکسینہ)

یادگارِ انیس

مولفہ

مولوی امیر احمد صاحب علوی بی اے
ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ و جج ینچ (چھاؤنی)

باہتمام

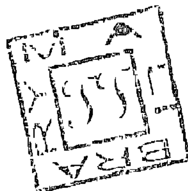
احقر العباد محمد حسن

در انوار المطابع لکھنؤ مطبوع گردید

سنہ ۱۳۴۴ھ

ستارہ بدرخشید و ماہ مجلس شد　　دل رمیدۂ ما را انیس و مونس شد
(حافظ)

یادگار انیس



مولفہ

مولوی امیر احمد علوی بی اے

باہتمام احقر العباد محمد حسن

در انوار المطابع لکھنؤ طبع گردید

مقام اشاعت انوار المطابع لکھنؤ　　قیمت عمار

بخدمتِ اقدس

حضرت استاد معظم۔ شاعر نازک خیال۔ ادیب بے مثال۔ محققِ زبان و محاورات جناب مولوی نور الحسن نیّر بی۔اے۔ ایل ایل بی۔ مولف نور اللغات کمال ادب سے پیش کرتا ہوں۔



فہرست

۱۹۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

مرثیہ اور اس کی عہد بعہد ترقی

مرثیہ کے لفظی معنی "وصف میت" ہیں اور اصطلاح شعرا میں مرثیہ اُس صنف سخن کو کہتے ہیں جس میں شخص متوفی اُسکے محامد فضائل و سوانح درد و حسرت کے ساتھ بیان کیے جائیں۔

درد و غم کا جذبہ تمام جذبات انسانی سے قوی تر ہے۔ حسرت و مصیبت کی کہانی عیش و شادمانی کی داستان سے زیادہ با اثر اور آنسوؤں کے تار یا گجرے کی لڑیوں سے زیادہ دلکش ہیں۔ رنج و آلام سے متاثر ہونا فطرت انسانی کا خاصّہ ہے اِسلیے مرثیہ کا اثر قصیدہ اور منقبت سے زیادہ دیرپا ہوتا ہے۔ ہر ایک مصرع دلوں پر نشتر چلاتا ہے اور ہر ایک شعر آہ و زاری کا مینھ برساتا ہے۔

یوں تو مرثیہ ہر ایک مصیبت اور تباہی پر کہا جا سکتا ہے۔ دہر تراشت کا نوحہ کوروں کی تباہی پر، سہراب کی ماں کا ماتم بیٹے کے قتل پر، شیخ سعدی کا مرثیہ ملک مستعصم کے زوال پر اِس قابل ہے کہ "آسمان خون ببارد بر زمین"

عجم کی تذلیل پر فردوسی کا ایک مصرع "تفو بر تو اے چرخ گردان تفو" اور دارا کی موت پر نظامی کا ایک شعر "نسب نامۂ دولت کیقباد ؛ ورق بر ورق ہر سوئے بُرد باد"

ہزار داستانِ حرمان و قلق کا خلاصہ ہے لیکن ہمارے مُلک میں مرثیہ کا اطلاق زیادہ تر حضرت امام حسین علیہ السلام اور اُن کے رُفقا کے احوالِ شہادت پر ہوتا ہے یہ حسرتناک واقعہ اس قدر عبرت خیز ہے کہ اگر سادہ الفاظ میں بغیر کسی عبارت آرائی کے بیان کر دیا جائے تو بھی سُننے والوں کے دِل ہلجائیں اور گریہ بر ملا یک ہفت آسمان فتد" اللہ! اللہ! کیسا دردانگیز منظر ہے کہ مسلمانوں کے نبی کا نواسہ حاکمِ وقت کے جبر و ظلم سے عاجز آکر اپنے وطن سے جُدا ہو۔ رسول پاک کا مقدس جوار چھوڑے مکہ کو اقامت گاہ بنائے۔ وہاں بھی چین میسّر نہ آئے۔ بعض گندم نُما جو فروش حمایت و نصرت کا سبز باغ دکھا کر خانۂ خدا میں بھی شگفتہ نہ دیں۔ بیوفائی اور بدعہدی کوفیوں کا شیوہ ہے لیکن وہ محمدؐ کا کلمہ پڑھتے ہیں اور محبتِ حق اُن کو مسلمان سمجھکر عین موسمِ حج میں کعبہ سے کوچ فرماتے ریگستانِ عرب کی گرمی اور سختی برداشت کرتے ہوئے اپنے کنبہ کی عورتوں اور بچّوں کو ساتھ لیے عراق کی سرحد تک پہونچتے ہیں۔ ناگہاں خبر ملتی ہے کہ جن بیوفاؤں نے خط اور پیام بھیج بھیجکر بلایا تھا منحرف اور برگشتہ ہوگئے اور مہمانِ عزیز کے خیر مقدم کے لیے تلواریں تیز ہو رہی ہیں۔ کوفہ کی عزیمت فسخ کی جاتی ہے۔ اور قضائے ایزدی راستہ بھلوا کر نینوا کی ہولناک سرزمین پر پہونچا دیتی ہے۔ دشمنوں کا ایک عظیم الشان لشکر پہونچتا ہے۔ ہر طرف کے راستے بند کر دیے جاتے ہیں۔ نہرِ فرات کا پانی جس سے چرند و پرند تک سیراب ہوتے ہیں ساقیِ کوثر کے فرزند کو اس قصور میں نہیں دیا جاتا کہ وہ اپنے ضمیر کے خلاف ایک حاکمِ فاسق و فاجر کی بیعت کرنا گناہ سمجھتے ہیں ؎

ترسم کزین گناہ شفیعان روزِ حشر   دارند شرم کز گنہ خلق دم زنند

جاں نثاروں کی جمعیت نہایت قلیل ہے جنمیں سے بیشتر اپنے ہی بھائی بھتیجے ہیں۔ مقابلہ پر شام کی کارآزمودہ اور آراستہ فوج ہے جسکی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے

نتیجہ جنگ مین شک وشبہ کی گنجایش نہین - اعوان و انصار - اعزا و اقربا سبکی
موت یقینی ہے - عورتون کی اسیری اور بچون کی یتیمی پیش نظر ہے لیکن اُس
کوہ عزم و استقلال کی ہمّت مین فرق نہین آتا - ایسے ثبات کو لغزش نہین ہوتی -
کھانا پانی بند ہے - معصوم بچے پیاس کی تکلیف سے تڑپ رہے ہین تین فاقہ پر تیسرا
فاقہ ہے لیکن نانا کی اُمت کو ورطہ ضلالت مین ڈالنا گوارا نہین - فاسق کی بیعت
پر موت کو ترجیح دیتے ہین - زبان مین تاثیر ہے کہ لب ہلائین تو پتھرون سے چشمے
جاری ہونے لگین - دل مین قوّت ہے کہ بہشت کی نعمتون کی خواہش کرین تو فوراً
رضوان بہشت خوان الوان نعمت لیکر حاضر ہو لیکن رضائے الٰہی پر صابر و شاکر
ہین - خدا ورسول کی محبت بیٹون سے زیادہ ہے اس لیے دشمنون کے حق مین دعائے
بد بھی نہین فرماتے اور نہ زبان مبارک کو کلمہ شکایت سے آلودہ ہونے دیتے ہین -
اعزّا اور انصار مین سے ہر ایک کی تمنا ہے کہ سب سے پہلے ہمین جگر گوشہ رسول
کا فدیہ ہون - باپ کی خواہش ہے کہ پہلے مین سر کٹاؤن اور بیٹون کا داغ نہ دیکھون
بیٹے بھتیجے کہتے ہین کہ جب تک ہم مین سے ایک بھی زندہ ہے آپ کو میدان جنگ
مین جانے نہ دینگے - اُن کی شجاعت اور جوانمردی ضرب المثل ہے - نیزہ بازی اور
فنون حرب کے خوب خوب جوہر دکھاتے ہین لیکن دشمن کے غول کے غول ایک
ایک پر ٹوٹ پڑتے ہین اور بھائی بیٹے سب آنکھون کے سامنے مارے جاتے ہین
حتیٰ کہ چھ مہینہ کا ایک شیر خوار بچہ جو تشنگی کی شدت سے خود ہی نیم جان ہو رہا تھا
آغوش مبارک مین دشمنون کے تیر کا شکار ہوتا ہے لیکن اس نازک وقت پر بھی
رحمت غضب سے سبقت لیجاتی ہے - سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار مین آئے - نہ شکوہ ظلم
زبان پر آتا ہے اور نہ دل یاد خالق سے غافل ہوتا ہے آخر کار دشمن نرغہ کر کے اُس
صابر و شاکر کو بھی شہید کرتے ہین - سر مبارک نیزے کی انی پر آویزان کیا جاتا ہے ؎

آن سرکہ بود بر سر دوش نبیؐ مدام | یک نیزہ اش ز دوش مخالف جدا ببین

جسد اطہر گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہوتا ہے خیمۂ فلک بارگاہ میں آگ لگائی جاتی ہے اہل حرم برہنہ سر اعدا کی قید میں گرفتار ہوتے ہیں۔ خاندان نبوت کا ایک چراغ جو بیماری کی شدت سے جنگ کے قابل نہ تھا زندہ اسیر ہوتا ہے اور طوق و زنجیر سے مسلسل اُس کٹے ہوئے کاروان مدینہ کے ساتھ حاکم شام کے دربار میں حاضر کیا جاتا ہے

از صاحب حرم چہ توقع کنند باز | آن ناکسان کہ تیغ بہ صید حرم زنند

دشمن اپنے مقتولین کی تجہیز و تکفین کرتے ہیں مگر محمدؐ کے نواسے کی لاش عرصہ تک میدان کربلا میں بے گور و کفن پڑی رہتی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون کیا دردناک بیان ہے اور کسقدر حسرت بھری داستان!! اگر اُس عہد کا کوئی شاعر جسکا دل درد و غم سے لبریز ہوتا اِس واقعہ کو نظم کرتا تو تمام دُنیائے اسلام میں آگ لگ جاتی اور "قتل حسینؑ"[ل] سچ مچ "مرگ یزید" بن جاتا۔ عرب میں مرثیہ گوئی کا عام رواج تھا اور ایام جاہلیت ہی میں یہ فن کافی ترقی کر چکا تھا۔ عبدالمطلب جدّ رسول اللہ اور بعض دیگر ناموروں کے مرثیے عربی لٹریچر میں اسوقت تک محفوظ ہیں اور "حماسہ" میں ایک مستقل فصل "باب المراثی" کے عنوان سے موجود ہے۔ آفتاب رسالت کے طلوع ہونے کے بعد بھی مرثیہ گوئی کو زوال نہیں آیا۔ حسّان بن ثابت مدّاح رسولؐ نے شہنشاہ کونین کی وفات پر ایسے مرثیے لکھے کہ اُن کا ہر شعر مجسّم سوز و گداز ہے۔ حضرت فاطمہ زہراؑ نے بھی اِس سانحۂ قیامت نما پر ایک دردناک مرثیہ کہا جس کے ایک شعر کا مضمون یہ تھا کہ "مجھپر مصائب ایسے آپڑے ہیں کہ یہ مصیبتیں دنوں پر گذرتیں تو وہ رات ہو جاتے"۔ خلیفہ دوم نے اپنے بھائی کا مرثیہ اُس عہد کے مشہور مرثیہ گو متمم بن نویرہ سے فرمایش کر کے لکھوایا لیکن افسوس کہ امام حسینؑ پر آنسو بہانے کی

ل اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔ قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے۔

کسی کو ہمت نہ تھی اور کربلا کے محشر خیز ظلم پر کوئی مرثیہ ایسا تصنیف نہین کیا گیا کہ زندہ رہتا۔

بنی اُمیہ کے جور وستم نے تمام شعرا کی زبانین بند کر دی تھین۔ فرزدق نے ایک قصیدہ حضرت امام زین العابدین کی شان مین لکھا جسکے ایک شعر کا مضمون یہ تھا کہ حضرت نے لفظ لاؔ (کلمۂ انکار) سوائے تشہد (اشہدان لا الہٰ الاّ اللہ) کبھی زبان مبارک سے نہین نکالا اور اگر تشہد لازمی نہوتا تو آپ کی ہر ایک "نہین" "ہان" ہوتی۔ اور مجمع عام کے سامنے بڑے جوش سے حاکم وقت کو مخاطب کر کے کہا کہ "تو نہین جانتا تو جان لے کہ یہ فاطمہؑ کے بیٹے ہین اور اُن کے جد پر انبیا کا سلسلہ ختم ہوا" بادشاہ نہایت ناراض ہوا اور شاعر کو قید کر دیا۔ اُسی جبّاری کا نتیجہ تھا کہ اُس زمانہ کے کسی مشہور شاعر نے واقعۂ کربلا نظم کرنے کی جرأت نہین کی اور عرب کی شاعری بیان مصائب اہل بیت کی سعادت سے محروم رہی۔ بنی عبّاس کے عہد مین بعض غیر مشہور شعرا نے متفرق اشعار واقعۂ کربلا کے متعلق کہے اور دعبل خزاعی نے ایک طویل مرثیہ لکھا جسکے شہرت کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ امام علی رضا علیہ السلام کے حضور مین پڑھا گیا لیکن اثر اور جوش کا اس مین پتہ نہین بلکہ اُسی زمانہ مین بر امکہ کے قتل پر جو دردناک مرثیے کہے گئے تھے اُن سے اس سرمایہ نازو افتخار دعبل کو کچھ نسبت نہین۔

البتہ ایران کی مقدس سرزمین نے غلامی خاندان رسالت کا حق ادا کیا۔ جب اس ملک کو خود مختاری نصیب ہوئی اور اہلبیت کا نیاز مند شاہ طہماسپ صفوی سریر آرائے سلطنت ہوا تو اُس نے حکم دیا کہ شعرا کو ائمۂ اہلبیت کی شان مین طبع آزمائی کرنا چاہیئے۔ دفتر ازل مین یہ شرف محتشم کاشی کے لیے محفوظ رکھا گیا تھا کہ وہ مصائب کربلا پر پہلی مرتبہ ایسے دردناک الفاظ مین نوحہ کرے کہ اُسکے مرثیہ کو قبول عام اور بقاء دوام کی سند نصیب ہو۔ اُس نے چند بند دن کا ایک مرثیہ لکھا جو فطرتی جذبات سے

لبریز اور درد وغم کی مجسم تصویر ہے۔ اُسکے کچھ شعر یہان نقل کیے جاتے ہین :-

(دختر زہرا امام زمان کے پیکر شریف کو خاک و خون مین غلطان دیکھ کر مدینے کی طرف رُخ کرتی اور حضرت رسول عربی کے برزخ مبارک سے عرض کرتی ہین)

پس بازبان پُر گلہ آن بضعت البتول
رو در مدینہ کرد کہ یا ایّہا الرسُول

این کشتۂ فتادہ بہ ہامون حسین تست — وین صید دست و پا زدہ در خون حسین تست
این غرقۂ محیط شہادت کہ روئے دشت — از موج خون او شدہ گلگون حسین تست
این خشک لب فتادہ ممنوع از فرات — کز خون او زمین شدہ جیحون حسین تست
این شاہ کم سپاہ کہ با خیل اشک و آہ — خرگاہ ازین جہان زدہ بیرون حسین تست
این قالب طپان کہ چنین ماندہ بر زمین — شاہ شہید ناشدہ مدفون حسین تست

محتشم کے بعد مقبل نے مرثیہ گوئی مین شہرت پائی اور شوکت الفاظ کے زور سے مُلّا محتشم کی درد و تاثیر کا جواب دیا۔ فرماتے ہین :-

بلند مرتبہ شاہے ز صدر زین اُفتاد — اگر غلط نکنم عرش بر زمین اُفتاد

انھون نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ کربلا کے تمام واقعات ابتدا سفر سے اہل حرم کے قید ہونے اور رہائی پا کر مدینہ آنے تک نظم کر دیے،

پھر تو ایران مین مرثیہ گویون کا ایک گروہ پیدا ہو گیا اور سیکڑون شاعر مرثیہ کہنے لگے۔ اب ہندوستان مین فارسی شاعری سے دلچسپی بہت کم باقی ہے اس لیے مرثیہ گویان ایران کے کلام پر تبصرہ بیکار ہے

ہمارے ملک مین اُردو شاعری کی ابتدا دکن سے ہوئی اور مرثیہ گوئی کا آغاز بھی وہین سے ہوا۔ سلاطین بیجاپور و گولکنڈہ نے سرپرستی کی۔ محمد قلی قطب شاہ (المتوفی سنہ ۱۰۲۰ھ) سلطان محمد قطب شاہ (المتوفی ۱۰۳۵ھ) اور عبداللہ قطب شاہ (المتوفی سنہ ۱۰۸۳ھ)

بادشاہان گولکنڈہ خود شاعر اور سخن سنجوں کے جوہر شناس تھے۔ اُنھوں نے فارسی میں دکنی اُردو میں دواوین[۱] مرتب کیے۔ اس عہد کے شعرا میں سے نصرتی اور ہاشمی صاحب دیوان و قصاید تھے۔ غواصی کی مثنوی[۲] سیف الملوک و بدیع الجمال ابھی تک مشہور ہے۔ اور میرزا ان نامی ایک پاک طینت بزرگ تھے جو صرف مرثیے کہتے تھے۔ حمد و نعت و منقبت کے سوا اپنی زبان کو دوسری چیزوں سے آلودہ نہیں کیا۔ مگر افسوس ہے کہ اُنکے کلام کا نمونہ موجود نہیں۔

گولکنڈہ کے آخری تاجدار ابوالحسن تاناشاہ شعر و سخن کے فریفتہ تھے اور انکے مصاحبوں میں شاہ قلی خان ایک مرثیہ گو شاعر تھے جنکے اشعار ہاتھوں ہاتھ دہلی اور آگرہ پہونچتے اور وہاں مجالس عزا میں پڑھے جاتے

اُن کی زبان کا نمونہ یہ ہے :-

ملنا تمھن کا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ کہے
کس کس کا مُنہ موندوں سجن کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

جب زمانے نے گولکنڈہ کا ورق اُلٹ دیا تو سپہر سخنوری پر شمس الدین ولی کے عروج و اقبال کا ستارہ چمکا جنکو صاحب تذکرہ آب حیات نے نظم اُردو کا باوا آدم

---

[۱] کلام کا نمونہ یہ ہے :-

محمد قلی قطب شاہ
سدا تو مدح نبی و علی کی کہتا ہے — معنی شعر ترا تو لکھے ہیں دست بدست
ہے محمد قطب شہ بارہ اماموں کا غلام — ہیں سو علی جنے داس ٹھہرایا علی سرپنج دستگیر
آیت قرآن نازل جیوں ہوا حضرت کے تئیں — مرتضی ہیں بس دو جگ سائیں جیوں محمد بے نظیر

سلطان محمد قطب شاہ
بکر عید آیا صلوۃ بر محمد — آنند حلم احیا یا صلوۃ بر محمد
انجانے میں جدائی گیا پند نا سنا — قرآن اور حدیث سوں ترکیب کر کلام

عبداللہ قطب شاہ
راز کیا یا تان نبی کے صدقے پوچھے گا اگر — شاہ عبداللہ کو پوچھ آکر ہے حاضر جواب

[۲] اس کا سن تصنیف ۱۰۳۵ھ ہے :-

برس یک ہزار ہور پنج تیس میں — کیا ختم یہ نظم دن تیس میں

اور

قرار دیا ہے۔ اُردو شاعری اُن کے وقت سے سو برس پہلے شروع ہو چکی تھی اور قریب قریب تمام اصناف سخن ریختہ مین آ چکے تھے لیکن زبان صاف نہ تھی وہ ولی کے دور مین اِس رتبہ کو پہونچی کہ اُن کا کلام ہمارے زمانہ مین بھی سمجھا جا سکتا ہے فرماتے ہین ؎

دل ولی کا لے لیا دِلّی نے چھین　　جا کہو کوئی محمد شاہ سون

اے ولی رہنے کو دنیا مین مقام عاشق　　کوچۂ یار ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

ہاتف نے یون دیا ہے مجھکو ولی بشارت　　اُس کی گلی مین جا تو مقصد شتاب ہوگا

اُنھون نے شہدا کربلا کے احوال مین ایک مثنوی لکھ کر صاف شدہ اُردو مین مرثیہ گوئی کا بنیادی پتھر رکھا۔ مثنوی کے خاتمہ مین کہتے ہین۔

ہوا ہے ختم جب یہ درد کا حال　　تھا گیارہ سو پہ اکتالیسواں سال ۱۱۴۱

کہا ہاتف نے یو تاریخ معقول　　ولی کا ہے سخن حق پاس مقبول

ولی کی پیرانہ سالی مین سودا و میر کا عنفوان شباب تھا محبان اہلبیت کو رُلانے اور مجالس ماتم مین گرمی پیدا کرنے کے لیے مرثیہ گوئی کی ضرورت تھی۔ ہر طبقہ کے شعرا توشۂ آخرت فراہم کرنے کے لیے نعت و منقبت کہتے اور انہین سے بیشتر مرثیے بھی تصنیف کرتے تھے جو جو مصرعے کہے جاتے اور مجلسون مین رونے رُلانے کے کام آتے تھے۔ سودا اور میر کے عروج سے پہلے مرثیہ کا خوب رواج ہو چکا تھا اپنے وقت کے مشہور مرثیہ گو میاں مسکین کا سودا نے شہر آشوب مین تذکرہ کیا ہے ؎

اسقاط حمل ہو تو کہین مرثیہ ایسا　　پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکین کہاں ہے

میر تقی نے بھی مرثیہ کہا لیکن وہ اِس پایہ کا نہ تھا کہ شہنشاہ سخن کے دیوان مین

شامل کیا جاتا۔

چند شعر لکھتا ہون۔

(۱)

دلون پر محبون کے حالت عجب ہے ۔۔۔ مصیبت ہے ماتم ہے غم ہے تعب ہے
غرض کیا کہون کس روش کا غضب ہے ۔۔۔ حسینِ علی کی شہادت کی شب ہے

(۲)

محبون نے دل سے خوشی سب تجی ہے ۔۔۔ ہر اک گھر مین ماتم کی مجلس رچی ہے
عجب طرح کی واے ویلا مچی ہے ۔۔۔ کہ روز قیامت کی گویا یہ شب ہے

(۳)

کوئی دل نہین جس کو ماتم نہوگا ۔۔۔ وہ دل دیر ہے جس مین یہ غم نہوگا
یہ دن کچھ قیامت سے بھی کم نہوگا ۔۔۔ قیامت مین یہ کچھ نہ ہوگا جو اب ہے

(۴)

ہے چارون طرف ہو رہا شور محشر ۔۔۔ زمین آسمان ہو رہا ہے تلک اوپر
حسینِ علی پر چلایا ہے خنجر ۔۔۔ ہر اک جان اس غم سے خنجر طلب ہے

(۵)

بجا ہے کہ لوہو کے دریا بہائے ۔۔۔ یہ کشتی فلک کی لہو مین ڈبائے
سرِ تشنہ لب کا کسے غم سنائے ۔۔۔ یہ کس منہ سے کہیے کہ وہ تشنہ لب ہے

مرزا رفیع سودا نے اسکا رد لکھا۔ تمہید مین فرماتے ہین۔

"لیکن مشکل ترین دقائق طریقہ مرثیہ کا معلوم کیا کہ مضمون واحد کو ہزار رنگ مین ربط معنی دیا۔ اس کام مین محتشم سا کسو نے عزِ قبول نہین پایا۔ بس لازم ہے کہ مرتبہ در نظر رکھکر مرثیے کہے نہ کہ برائے گریۂ عوام اپنے تئین ماخوذ کرے۔"

مگر جب خود مرثیہ کہنے بیٹھے تو اس زمین کو ذرا بھی بلند نہ کر سکے۔ اُن کا بہترین

مرثیہ یہ ہے :-

(۱)

یارو سنو تو[1] خالقِ اکبر کے واسطے
انصاف سے جواب دو حیدر کے واسطے
وہ بوسہ گہ بنی تھی پیمبر کے واسطے
یا ظالموں کی بُرّشِ خنجر کے واسطے

(۲)

دیکھا جہان میں کافر و دیندار کا بھی سیر
انکی سی پر قساوت قلبی نہ کی میں سیر
پینے دیں آب انس سے لے تا بہ وحش و طیر
مانع ہوں ابن ساقی کوثر کے واسطے

(۳)

امت ہے وہ کہ خانۂ دیں کی ہو پاسبان
یا لوٹ لیوے اپنے پیمبر کا خانمان
آتش برائے پخت و پز آئی تھی در جہان
یا دینے کو وہ فاطمہؑ کے گھر کے واسطے

(۴)

راوی لکھے ہے خرد و کلان رن میں جب مُوا
نیزے سے اور تیر سے سب کا لہو چُوا
شش ماہہ طفل اصغرؑ معصوم تک ہوا
طعمۂ عقابِ تیرِ ستمگر کے واسطے

(۵)

تنہا پھر اُس زمین پہ رہا شاہِ کربلا
اُس کا بھی تیغ ظلم سے آخر کٹا گلا
بعد اس ستم کے خیمہ ہوا مورد بلا
غارت گروں کے ہاتھ سے زیور کے واسطے

(۶)

یا مرتضیٰ علیؑ ولی حشر کا قیام
جس روز ہو عرض کیے رکھے ہے یہ غلام

---

[1] جنت مکان مرزا دبیر کا عجز و انکسار دیکھیے۔ کسی سوز خوان کی فرمایش سے اسی بحر میں مربع مرثیہ کہا تو مقطع میں سودا کے فضل و تقدم کا اعتراف کیا۔ فرماتے ہیں۔

بس اے دبیر سینہ ہے بریان جگر کباب
سودا کے مرثیے کا تو ممکن نہیں جواب
پر فضل حق سے مرثیہ یہ بھی ہے انتخاب
کافی ہے تجھ کو بخشش محشر کے واسطے

سوداؔ کو بھولیو نہ تو اپنے زفیض عام　　　دریاے العطش کے شناور کے واسطے

سوداؔ نے خداوندِ سخن کو ہدفِ ملامت بنایا لیکن خود بے تکلف مرثیون مین غلط الفاظ استعمال کرتے ہین۔ نہ صفائی بندش کا لحاظ ہے نہ "مرتبہ درنظر" اور نہ مضامین نو بنو کی تلاش۔ ملاحظہ ہو:-

کس سے اے چرخ کہون جاکے تری بیدادی　　　جو ہے دنیا مین سو کہتا ہے مجھے ایذا دی
ہاتھ سے کون نہین آج ترے فریادی　　　یان تلک پہونچی ہے ملعون تری بیدادی
کون فرزندِ علیؑ پر یہ ستم کرتا ہے
کیون مکافات سے اسکے تو نہین ڈرتا ہے

خویش و فرزند و عزیز اُسکے تھے جتنے پیارے　　　دشنہ و تیغ سے ہین ظالمون کے سب مارے
اہل بیت اُسکے جو باقی ہین سو ہین آوارے　　　قید مین کوفیون کے جاتے ہین وہ بیچارے
نہ اُنھین چین ہے دن کو نہ اُنھین رات آرام
اس مصیبت مین چلے جاتے ہین کربل سے شام

یہ مرثیہ مسدس ہے حالانکہ اُس سے پہلے مرثیے چو مصرعے ہوا کرتے تھے۔ معلوم نہین ٹیپ لگانے کی جدت مرزا ہی کو سوجھی یا یہ شرف میان سکندر کو نصیب ہوا جو پنجاب کے رہنے والے مرزا کے ہم عصر تھے اور تلاش معاش مین لکھنؤ آبسے تھے۔ اُنھون نے ایک نہایت دردناک مرثیہ مسدس کے طرز مین کہا جو آج تک مجلسون مین پڑھا جاتا ہے اور یقیناً اُردو زبان مین پہلا[1] مسدس ہے جسکو قبول عام کی سند ملی۔ سوداؔ کا مرثیہ اُنکے دیوان مین مقید ہے

[1] بعض حضرات کا خیال ہے کہ اردو مین پہلا مسدس حیدر شاہ نامی ایک شاعر نے کہا تھا جنھون نے احمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد مین وفات پائی۔ اور مندرجہ ذیل بند اُنکا کلام بتایا جاتا ہے۔

عزیزو آج ناموس نبی پر آفت آئی ہے　　　شب رخصت ہے بہنون سے شہ دین کی جدائی ہے
خصوصاً بی بی بانو نے عجب حالت بنائی ہے　　　سرہانے بی سکینہ کے کھڑی دیتی دُہائی ہے
مُنہ اُسکا چومتی ہے اور یہی کہہ کہکے روتی ہے

اور سکندر کا مرثیہ نواح لکھنؤ میں سنو برس کے بعد بھی بچّہ بچّہ کی زبان پر ہے۔

شیر ولان پنجاب فخر کریں کہ ہندوستان میں مرثیہ گوئی کا دوسرا دور اُن کے ایک ہموطن کے کلام سے شروع ہوتا ہے اور جس عالی شان عمارت کو شعراے لکھنؤ نے "تا بہ ثریّا" پہونچایا اُسکی داغ بیل میاں سکندر ہی کی ڈالی ہوئی تھی !! اس مقبول مرثیہ کے چند بند یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

ہے روایت شتر اسوار کسی کا تھا رسولؐ   اک جگہ شہر مدینہ میں ہوا اُس کا نزول
جس محلے میں کہ رہتے تھے حسینؑ ابن بتولؑ   ایک لڑکی کھڑی دروازے پہ بیمار و ملول
خط لیے کہتی تھی پردے سے لگی زار و نزار
ادھر آ تجھکو خدا کی قسم اے ناقہ سوار

ناگہاں سُن شتر اسوار وہ آواز حزین   باادب آن کے کہنے لگا پردے کے قرین
کوئی اس گھر میں ولا تیرے سوا ہے کہ نہیں   اتنی سی عمر میں کیا دُکھ ہے کہ تو ہے غمگین
کون سی قوم کی لڑکی ہے تو بیمار صغیر
کیا ترا نام ہے اور کس کے لیے ہے دلگیر

بقیہ (صفحہ ۱۱)   اری اُٹھ لاڈلی میری غضب کی صبح ہوتی ہے

لیکن یہ ایسا بہتان عظیم ہے کہ اسکی تردید کے لیے نقلی دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ محمد شاہ اور احمد شاہ کے وقت میں اردو زبان کی جو حالت تھی اُسکا نمونہ ان اوراق میں پیش کیا جا چکا ہے۔ ولی۔ میر تقی۔ مرزا رفیع سودا اور اُنکے ہم عصروں کی زبان کا نمونہ اردو لٹریچر میں بکثرت موجود ہے۔
ممکن ہے کہ حیدر شاہ کوئی مرثیہ گو شاعر عہد احمد شاہ میں ہوں۔ لیکن یہ بند اُنکے کلام کا نمونہ ہرگز نہیں ہو سکتا اس کی زبان بہت صاف اور شستہ ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ متاخرین میں سے کسی غیر مشہور شاعر کی تصنیف ہے۔ اگر بفرض محال یہ بند احمد شاہ کے عہد میں کہا بھی گیا ہو تو ثابت نہیں ہوتا کہ حیدر شاہ نے کوئی طویل مرثیہ اس طرز میں تصنیف کیا تھا یا صرف یہی ایک بند اُنکا سرمایۂ ناز ہے علاوہ اسکے میاں سکندر کا فضل تقدم اس شہادت سے مٹ نہیں سکتا کیونکہ سودا کے مسدس کی طرح یہ بند بھی گارسن ڈی ٹاسی کے تذکرہ شعرا میں بند ہے۔ قبولیت عام سکندر کے مرثیے سے پہلے کسی مسدس کو نصیب نہیں ہوئی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔

وہ لگی کہنے کہ سن بندۂ حیّ القیوم — میرا نانا ہے نبیؐ دادا علیؑ بابِ علوم
یہ محلہ بنی ہاشم کا ہے سب پہ معلوم — اور میں لڑکی جو بیمار ہوں دکھیا مغموم
فاطمہ صغرؑا اسی واسطے ہے میرا نام
دادی زہرا کی سی صورت ہے مگر منھ کی تمام

اور چچا میرا حسنؑ زہر سے جس کو مارا — بعد اُس کے کوئی اس ڈیرے کا والی نہ رہا
ایک جیتا جو رہا میرا حسینا بابا — وہ بھی بیمار مجھے چھوڑ سفر کر کے گیا
اب تلک اُس کی خبر مجھکو نہیں کچھ معلوم
ام سلمہؓ مری نانی بھی ہے گھر میں مغموم

ایک تو فاقہ کشی دوسرے میں ہوں بیمار — گھر میں دانہ نہیں کیا تجھ سے کہوں ناقہ سوار
ایک مقنع ہے مرے سر پہ سو دیتی ہوں اُتار — میں نے بخشا تجھے بھائی مرا خط لیکے سدھار
کہیو بابا سے کہ ہے فاطمہ صغرا بے چین
نام لے لیکے وہ مر جائیگی کہہ کہکے حسینؑ

اس لیے دیتی ہوں نامہ تجھے اے ناقہ سوار — کربلا کی مجھے بو آتی ہے تجھ سے ہر بار
میرا بابا بھی گیا ہیگا اُدھر ہو لاچار — گر کہیں ہو ترا اُس دشت کے میدان میں گذار
کہیو رو رو کے زبانی مرا یہ سب سے پیام
بندگی میری بڑوں کو مرا چھوٹوں کو سلام

میری ماں بانو سے کہیو کہ تم اتنا کیجو — میری جانب سے سکینہؑ کی بلائیں لیجو
اور مری پھوپھیوں سے تم رو رو کے یہ کہہ دیجو — کھانا واں کھاؤ تو گھر آن کے پانی پیجو
بھائی اکبرؑ سے یہ کہیو کہ وطن کو جاؤ
پھیر بابا کو مدینے کی طرف لیجاؤ

یہ پیام اپنا سنا فاطمہ صغرؑا بی بی — خط و مقنع شترا سوار کو جب دینے لگی

اُس نے مقنع نہ لیا رو کے کتابت لیلی — وقت رخصت کے کہا بی بی نے مت وبھائی

جگ مین روتا ہوا قاصد جو کہین جاتا ہے

پھر مقررہ موے کی ہی خبر لاتا ہے

سن کے خاموش ہو منھ پھیر کے وہ ناقہ سوار — ہانکتا اونٹ چلا چھوڑ مدینے کا دیار

جس طرف دیکھتا جنگل مین کہ اُٹھتا ہے غبار — دوڑ کر پوچھتا ہر ایک مسافر کو پکار

لشکر ابن علیؑ سے جو کوئی ہو آگاہ

مجھکو بتلا دے نشان اُس کا برائے اللہ

التماس اب ہے سکندر کا یہی یا اللہ — میرے مکتوب سے یون طول امل ہون کوتاہ

نہ رہے جسکی سطر مین کہین اک حرف گناہ — واسطہ فاطمہ صغریٰ کا ہو بخشش کی نگاہ

آب رحمت سے مرے جرم کا نامہ دھو ڈال

ہووے شبیرؑ کی خاطر سے یہ منظور سوال

اس مرثیہ کا سال تصنیف معلوم نہین لیکن سوداؔ کا سال وفات سنہ ۱۱۹۵ھ ہے۔ اور میان سکندر مرزا رفیع کے ہم عصر تھے اس لیے یہ جدت غالباً سنہ ۱۱۹۵ھ سے پہلے کی ہے اسکے تقریباً بیس سال بعد سید انشا کا عروج ہوا۔ وہ "دریائے لطافت" مین لکھتے ہین کہ "بگڑا شاعر مرثیہ گو ہوتا ہے" اُس وقت تک مرثیہ خوانی کے پیشے کو لوگ حقارت سے دیکھتے تھے۔ مگر سلطنت کا مذہب شیعہ تھا۔ اُمرا اور اعیان ریاست اسی مشرب کے حلقہ بگوش تھے عشق اہل بیتؑ لکھنؤ کی خاک پاک مین سرایت کر گیا تھا۔ مجالس عزا دھوم دھام سے ہوتی تھین۔ اہل ایمان آرزو کرتے تھے کہ اُن کی مذہبی مجلسون مین مشاعرون سے زیادہ رونق پیدا ہو۔ مرثیون مین صحیح الفاظ ادا کیے جائین اور شعرا اپنا زور طبیعت سرمایۂ آخرت مین صرف کرین۔ اہل کرم کی داد و دہش نے مرثیہ گویون کی ہمت افزائی کی اور چند ہی روز مین ایک کامل پیدا ہوا جس نے عاشقانہ شاعری سے دست بردار ہو کر مرثیہ گوئی

اور مرثیہ خوانی شروع کی ۔ یہ بزرگ مرزا دبیر کے استاد میر ضمیر تھے ۔ دلگیر ۔ میر فصیح ۔ اور میر خلیق نے بھی اسی صنف مین کمال حاصل کیا اور بادشاہ غازی الدین حیدر کے عہد مین یہ فن اس قدر ترقی کر چکا تھا کہ مرزا رجب علی سرور نے اپنے فسانۂ عجائب مین اہل لکھنؤ کے کمالات کا تذکرہ کرتے ہوے مرثیہ گویون کی طرف بھی اشارہ کیا اور اُن تمام مرثیہ گویون کے نام بتا دیے جو اُس وقت موجود تھے یا اُس سے پہلے اس فن مین شہرت حاصل کر چکے تھے ۔

"مرثیہ گو بے نظیر میان دلگیر ۔ صاف باطن نیک ضمیر ۔ خلیق فصیح ۔ مرد مسکین ۔ مکر وہات زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا ۔ اللہ کے کرم سے ناظم خوب ۔ دبیر مرغوب ۔ سکندر طالع بصورت گدا ۔ بار احسان اہل دول کا نہ اُٹھایا ۔ عرصۂ قلیل مین مرثیہ وسلام کا دیوان کثیر فرمایا ۔"

سرور نے یہ عبارت میان دلگیر کی مدح مین لکھی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دلگیر ہی کے دلدادہ تھے ۔ اُس وقت کے بیشتر اہل کمال دلگیر سے محبت رکھتے تھے ۔ شیخ ناسخ لکھنؤ سے جدا ہوئے تو دلگیر کو یون یاد کرتے ہین ۔

متحد ایسے زمانہ مین کہان ہوتے ہین   آپ دلگیر ہے ناسخ جو ہے دلگیر جدا

میان دلگیر کے کلام مین درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہے ۔ نمونہ کے طور پر چند بند لکھے جاتے ہین ۔

شہید ظلم جو وہ شاہ تشنہ کام ہوا   بنوک نیزہ علم تب سر امام ہوا
حرم سرا مین لعینون کا اژدحام ہوا   خیام شاہ مین انبوہ فوج شام ہوا
حرم کا زیور و زر لوٹنے لگے ظالم
حسین امام کا گھر لوٹنے لگے ظالم
جو شہر بانو تھی شہزادیِ دیار عجم   عزیز رکھتے تھے جس کو بہت امام امم

رکھا تھا صحن میں جس نے زنا بہ عمر قدم   پڑی تھی جس کے نہ منھ پر نگاہِ نامحرم
سو روزِ بد تھا یہ اُس معدنِ حیا کے لیے
ستم کی فوج میں محتاج تھی رِدا کے لیے

ہوئی یہ خانۂ آلِ عبا کی بربادی   کہ سر برہنہ ہوئی ایک اک نبی زادی
ستمگروں نے یہ آلِ نبی کو ایذا دی   کہ بنت فاطمہؑ تھیں سر برہنہ فریادی
جلا جو خیمہ تو چھپنے کو کوئی جا نہ رہی
جنابِ زینبؑ خاتون کی ردا نہ رہی

عبث آیا تیغ بکف خیمہ گہ میں شمرِ شقی   سکینہؑ گود میں اپنی پھوپھی کے جا کے چھپی
سر اپنا پیٹ کے وہ دل جلی یہ کہنے لگی   کوئی پدر کو مرے اب پکار لو جلدی
کبھی وہ چھوٹے سے ہاتھوں سے منھ چھپاتی تھی
کبھی وہ بید سی دہشت سے تھرتھراتی تھی

سرھانے عابدِ مضطر کے آئی فوجِ شریر   کوئی تو نیزہ دکھاتا تھا اور کوئی شمشیر
سب اپنی اپنی لگے کرنے اشقیا تدبیر   کوئی تو طوق و رسن لایا اور کوئی زنجیر
نہ ہاتھ ظلم کا اُس دل کباب سے کھینچا
پکڑ کے ہاتھ اُسے فرشِ خواب سے کھینچا

غرض جو خیمۂ عصمت جلا چکے ظلم   اور اُنکی قید میں بھی پھنس چکے سب اہلِ حرم
تمام دفن ہوئے لاشہائے اہلِ ستم   پڑا زمین پہ رہا لاشۂ امامِ اُمم
نہ کوچ فوج نے اُس دم سوئے شام کیا
قریبِ مقتلِ شبیر کے مقام کیا
بٹھایا شب کو اسیروں کو اک درخت تلے   زمیں پہ بیبیاں بیٹھی تھیں منھ پہ خاک ملے
سکینہ روتی تھی لگ لگ کے اپنی ماں کے گلے   برائی قید میں جو ہوں بس اُن کا خاک چلے

انڈھیری شب میں کہاں جھپکی دینے والا تھا
ستم زدوں کا نگہبان حق تعالے تھا

وہ سونا دشت وہ میدان کی شب کی تاریکی　　جو دیکھی زینبؑ بیکس نے بے قراری کی
تباہ ہوگئی حالت علیؑ کی پیاری کی　　یہ بات اُس نے ہر اک سے بہ آہ وزاری کی
کوئی بھتیجا نہ بیٹا نہ کوئی بھائی ہے
عجب طرح کی یہ رات ہم پہ آج آئی ہے

غرض کہ رات مصیبت کی ہوگئی جو تمام　　تو کوچ پر ہوئے آمادہ سب وہ ساکن شام
برہنہ اونٹوں پہ اہل حرم بٹھائے تمام　　سوئے شام روانہ ہوئے وہ بد انجام
اب آگے کیا کہے دلگیر کیسی آفت تھی
پہونچ کے شام میں زینبؑ پہ جو مصیبت تھی

اسی زمانے کے قریب میر ضمیر نے وہ مشہور مرثیہ کہا تھا جس کا مطلع یہ ہے :-

جب پیاس آب تیر سے اصغرؑ بجھا چکے　　بچپن میں اپنا داغ پدر کو دکھا چکے
آغوش قبر میں اُسے حضرت سلا چکے　　بانو کا لال خاک کے اندر چھپا چکے
کہتے تھے اب قریب ہے رحلت حسینؑ کی
اے خاک ہے یہ چاند امانت حسینؑ کی

اس مرثیہ کے چند بند سنیے تو ضمیر اور دلگیر کی زبان اور طرز بیان کا فرق صاف ظاہر ہو

ناگاہ سامنے سے نمایاں ہوا غبار　　سمت مدینہ سے ہوا پیدا اشتر سوار
اک نامہ اُسکے سر پہ بندھا ہے بہ افتخار　　ہر سمت دیکھتا ہوا آتا ہے بار بار
کہتا ہے یا خدا مری محنت قبول ہو
مہمان کربلا کی زیارت حصول ہو

پہونچا جو قتل گاہ میں تو دیکھتا ہے کیا　　لاشے پڑے ہوئے ہیں جوانوں کے جا بجا

ہے اک طرف کو خیمۂ ویران کھڑا ہوا　　ہین اک طرف سوار و پیادے ہزار ہا
پرچم کھلے ہوئے ہین نشان سر بہ اوج ہے
اور اُس طرف علم ہے نہ لشکر نہ فوج ہے

اک سو تو العطش کی صدا ہے بہ اتصال　　اور اک طرف کو پانی بہاتے ہین بدخصال
لاشون پہ بیکسی ہے برستی پڑی کمال　　کتنے ضعیف کتنے جوان کتنے خورد سال
زخم جگر پہ ہاتھ کسیکا دھرا ہوا
دست بریدہ مین کہین کنگنا بندھا ہوا

آیا اُسی طرف کو یہ قاصد صفون کو چیر　　کھولے علم کھڑا تھا جہان لشکر شریر
حیران کار ہوکے پکارا وہ مرد پیر　　ہانْ صاحبانِ خیل وحشم اَیکم امیر
اس قافلہ کا قافلہ سالار کون ہے
اے صاحبو بتاؤ کہ سردار کون ہے

لوگون نے ابن سعد کا اُس کو پتا دیا　　دیکھا بزیر چتر مرصع ہے وہ کھڑا
پاؤن سے سر تلک اُسے دیکھا تو یہ کہا　　افسوس ہے کہ دل کو نہ واشد ہوئی ذرا
سید ہے اور امام ہے صاحب جمال ہے
مین اُس کو پوچھتا ہون جو زہراؑ کا لال ہے

اُس نامہ بر سے کہنے لگی فوج نابکار　　جا اُس طرف کھڑا ہے بلندی پہ جو سوار
آیا یہان تو پائے شتر ماندہ ایک بار　　بس چڑھ گیا بلندی کے اوپر بحال زار
دیکھا غمون سے زار و اندوہ ہے حسینؑ
گویا کہ آفتاب سر کوہ ہے حسینؑ

عالم ہے غش کا سینہ کے اوپر جھکا ہے سر　　ہے خون کا خضاب لگا ریش پاک پر
عمامۂ رسول خدا ہے لہو مین تر　　رخسارون سے ہے نور ولایت کا جلوہ گر

زخمی تمام ناف سے لے تا بہ فرق ہیں
گھوڑے سمیت خون کے دریا میں غرق ہیں

اُس نے ٹھہر کے سبطِ نبی کو کیا سلام
ہاتھوں پہ رکھ کے نامہ کو لایا سوئے امام
شہ نے کہا کہ کون ہے بھائی تو نیک نام
بیکس کو یوں سلام جو کرتا ہے اس مقام
اس خط سے روح کچھ مری لذت اُٹھاتی ہے
تجھ سے تو بوئے اہلِ وطن مجھکو آتی ہے

اُس نے کہا مدینہ کو اک روز میں گیا
سوئے محلۂ بنی ہاشم گذر ہوا
اک دخترِ مریض کو واں دیکھتا ہوں کیا
سر پر قضا ہے ہاتھ میں تھامے ہوئے عصا
پردے سے یوں لگی ہوئی کرتی کلام ہے
بھائی خدا کی راہ کا درپیش کام ہے

فریادِ اسکی کر گئی دل پر مرے اثر
پوچھا جو اُسکے حال کو ڈیوڑھی پہ آن کر
بولی کہ ہوں میں قوم کی سیدانی نوحہ گر
پر ہے کئی مہینے سے تپ اور دردِ سر
اور یہ محلہ ہاشمیوں کا تمام ہے
دادی بتول جد مرا خیر الانام ہے

بیٹی حسینؑ کی ہوں یہ سب جانتے ہیں آہ
بابا مرا سفر کو گیا ہے بعزّ و جاہ
مجھکو اکیلے گھر میں گیا چھوڑ کر تباہ
قاصد کبھی کوئی آتا نہیں دیکھتی ہوں راہ
تو کربلا میں لیکے جو اِس خط کو جائے گا
محشر میں فاطمہ سے صلا اس کا پائیگا

شہ نے کہا کہ بس نہ زبان سے سنا پیام
خط کر کے چاک پڑھنے لگے شاہِ تشنہ کام
لیتے تھے ہر مقام کے اوپر جگر کو تھام
پہونچے جب اُس جگہ پہ تو روئے بہت امام
صدمے مفارقت میں جو بیٹی پہ نہیں گذر گئی

سنیوا کیلے گھر مین وہ ٹکرا کے مرگئی

قاصد سے تب کہا شہ دین نے کہ ہو سوار　　تجھ سے نہ دیکھا جائے گا میرا آل کار
گر وہ کہے کہ تجھکو ملے شاہِ نامدار　　کر دیجیو فقط اسی کلمہ پہ اختصار
برباد کر چکے تھے لعین گھر حسینؑ کا
جب مین چلا تو کاٹ لیا سر حسینؑ کا

قاصد تو سوے شہر مدینہ ہوا روان　　سامان قتل سبط پیمبر ہوا یہان
خاموش اے ضمیر نہین طاقت بیان　　اہل زمین بھی روتے ہین اور اہل آسمان
مطلب نہ مدح سے نہ غرض واہ واہ سے
گذرے یہ مرثیہ شہ دین کی نگاہ سے

فسانۂ عجائب کی تکمیل سے بادشاہ نصیر الدین[1] حیدر کے عہد مین فراغت ہوئی جن کا سال جلوس ۱۲۴۳ھ ہے۔ اس وقت تک دلگیر، ضمیر، خلیق ہم پلہ سمجھے جاتے تھے۔ مرثیہ گویون کی توجہ بین پر تھی۔ مرثیون کے بند ۱۲ سے لیکر ۳۵ یا ۵۰ تک ہوتے تھے اور بیشتر مرثیے سوز خوان ہی پڑھتے تھے۔

میر ضمیر نے روایتین نظم کرنا شروع کین تو مرثیہ ۵۰ بندون سے بڑھکر ستر اسّی بند کا ہونے لگا۔ رفتہ رفتہ یہ تعداد سنو سے بھی متجاوز ہوئی۔ ۱۲۴۹ھ مین ضمیر نے رزم و سراپا بھی مرثیون مین داخل کیا اور اس زمین کو آسمان بنا دیا۔ انھون نے شہزادۂ علی اکبر کی شہادت کے بیان مین ایک مرثیہ ۱۰۱ بند کا کہا جس کا مطلع ہے :-

کس نور کی محفل مین مری جلوہ گری ہے　　کس نور سے پر نور یہ نور نظری ہے
آمد ہی مین حیران قیاس بشری ہے　　یہ کون سی تصویر تجلی سے بھری ہے

[1] سرور :-　　گو حسن کا رتبہ نہین مذکور ہوا ہے
تا ابتدائے رسم فرمانروائے لکھنؤ منبر مراہم مرتبہ طور ہوا ہے　　نصیر الدین حیدر بادشاہ لکھنؤ

اُس مین تمہید سے چہرہ باندھا۔ پھر سراپا لکھا جو مرثیہ مین شعرائے سابق نے شامل نہین کیا تھا۔

قرآن کی تشبیہ یہ اس ل نے بتائی ۔ پیشانی انور ہے کہ ہے لوح طلائی
ابرو سے وہ بسم اللہ قرآن نظر آئی ۔ جدول کشش زلف کی تارون نے دکھائی
وہ زلف وہ بینی الف لام رقم ہے
پر میم دہن مل کے یہ اک شکل الم ہے

دیکھو کہ صفا ہے رخ اکبر سے نمایان ۔ یان سعی مین ہر دم ہے دل زینب نالان
کعبہ جو سیہ پوش ہے اے صاحب عرفان ۔ یان بھی رخ انور یہ ہین گیسوے پریشان
اس زلف مین پابند دل شاہ امم ہے
زنجیر مین کعبہ کی یہ قندیل حرم ہے

مانند دعائے سحری قدرسا ہے ۔ ماتھا ہے کہ دیباچہ انوار خدا ہے
دو زلف نے اک چاند سا منہ گھیر لیا ہے ۔ وصل شب قدر و شب معراج ہوا ہے
دو زلفین ہین رخسار دل افروز بھی دو ہین
یان شام بھی دو ہین بخدا روز بھی دو ہین

پھر میدان جنگ کا نقشہ دکھایا۔

تھا آب دم تیغ سے طوفان کا اسباب ۔ تھی موج فنا سر سے گذرتا تھا پڑا آب
دریا تھا وہ لشکر تو ہر اک حلقہ تھا گرداب ۔ اعضائے بریدہ صفت ماہی بے آب
آب دم خنجر یہ علمدارون کے دم تھے
جب تیغ علم کی تو علم صاف قلم تھے

اور بیان شہادت پر خاتمہ کر دیا۔ مقطع مین فرماتے ہین :-

جس سال لکھے وصف یہ ختم رسل نبی کے ۔ ۱۲۴۹ھ بارہ سو اُنچاس تھے ہجر نبوی کے

آگے تو یہ انداز سنے تھے نہ کسی کے　　اب سب یہ مقلد ہوئے اس طرز نئی کے

دس میں کھون سو میں کھون یہ درد ہے میرا
اس طرز میں جو جو کہے شاگرد ہے میرا

افسوس ہے رزم کا بیان مرثیون میں اُس وقت شامل کیا گیا جب اہل ہند کو فوج کشی۔ صف آرائی۔ اور قلعہ شکنی سے تعلق باقی نہیں رہا تھا۔ شب و روز عیش پرستی سے سروکار تھا اور بجز افسانہائے بزم کے کسی اور چرچے میں دل نہیں لگتا تھا۔ مجالس عزا کی برکت تھی یا میر ضمیر کے صدق و خلوص کا ثمرہ کہ وہ میدان جنگ کی ہولناک تصویر دکھانے قتل و خونریزی کا نقشہ کھینچنے میں کامیاب ہوئے اور خلایق نے اُنکی لطافت بیان پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے۔ اُنھون نے پہلی بار نظم اردو کو تصویر رزم سے آشنا کیا گویا کہ سنگ مرمر کی ایک خوبصورت بارہ دری بنائی جسپر جواہرات کی پچے کاری کرنا اور طلائی نقش و نگار بنانا آیندہ نسل کے لیے محفوظ تھا۔ اہل فارس قصیدہ کو (۱) تشبیب (۲) گریز (۳) مدح (۴) دعا۔ اور (۵) عرض حال پر مشتمل رکھتے تھے۔ اُنھون نے مرثیون میں (۱) چہرہ (۲) رخصت (۳) سراپا (۴) آمد (۵) رجز (۶) لڑائی (۷) بیان شہادت اور (۸) دُعا لازمی قرار دیکر ۱۲۴۹ھ سے مرثیہ گوئی کے تیسرے دور کا آغاز کیا

میر ضمیر نے مرثیہ میں جو جدتین کین حسب ذیل ہین:-

(۱) رزمیہ لکھا۔

(۲) سراپا شامل کیا۔

(۳) گھوڑے۔ تلوار اور اسلحۂ جنگ کے اوصاف لکھے۔

(۴) صفائی بندش پر توجہ کی۔

(۵) غلط الفاظ جو مرثیون مین بے تکلف استعمال ہوتے تھے ترک کر دیے۔

(۶) تحت لفظ پڑھنے کا رواج دیا اور منبر سے ہاتھ اور اشارات چشم و ابرو سے بتانا

شروع کیا

پہلے سب سے بہتر مرثیہ گو وہ سمجھا جاتا تھا جس کو مصیبت کے موقعوں کے روزمرے کثرت سے معلوم ہوں اور اُن کو مناسب طریقہ سے استعمال کر سکے۔ میر خلیق میاں دلگیر مرزا فصیح۔ ضمیر کے ہم رتبہ تھے بلکہ محاورہ بندی میں خلیق کا درجہ بلند تھا مگر اس طرز جدید نے سب کا بازار سرد کر دیا۔

میاں دلگیر کی زبان میں لکنت تھی۔ وہ خود مرثیہ نہیں پڑھتے تھے۔ اُنکا کلام سوزخوان پڑھا کرتے تھے۔ سوز کے لیے بین ہی مناسب تھا۔ وہ اپنی وضع پر قائم رہے اور ضمیر کی تقلید نہیں کی۔

میر خلیق کا جوہر کمال لطف زبان کو خیالات دردانگیز کے ساتھ ترکیب دیکر اہل مجلس کو رولانا تھا۔ وہ مرثیت کے کوچہ سے قدم آگے بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔ اُنھوں نے ضمیر کی تقلید اپنے کمالات میں موجبِ افزایش نہ سمجھکر رزمیہ مضامین سے احتراز کیا اور صرف درد و تاثیر کی نعمت سے حریفوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

فصیح نے "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" پر عمل کیا اور بیان رزم مرثیوں میں شامل کرنے لگے۔ مگر وہ چند ہی روز کے بعد حج و زیارات کو تشریف لے گئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ مشقِ سخن وہاں بھی جاری تھی۔ اُن کا ایک نہایت پرزور سلام مکّہ سے آیا اور لکھنؤ میں ایسا مقبول ہوا کہ آج تک اہل دل کو اس کے اشعار حفظ ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند شعر اُس سلام کے درج کیے جاتے ہیں:

سلام لکھتا ہوں میں حرم میں قلم سے زمزم ٹپک رہا ہے۔
سراپا کعبہ کے سنگِ در پر سیاہ پردہ لٹک رہا ہے
گھرے ہیں بادل سے شام کے دل کھنچی ہے حیدر کی سیف بُرّاں۔
گھٹا میں بجلی چمک رہی ہے زمانہ آنکھیں جھپک رہا ہے

سکینہؑ پیاسی تڑپ رہی ہے پڑی ہے بیہوش بنت مسلمؑ
اِدھر کو اصغرؑ سسک رہا ہے اُدھر کو باقرؑ بلک رہا ہے

کہا یہ عابدؑ نے ماں سے رو کر بچے نہ اصغرؑ رہا میں زندہ
لگا گلے پر جو تیر اُن کے جگر میں میرے کھٹک رہا ہے

خدا مظفر حسین خان کو بخیر و خوبی حرم میں لائے
فصیح مشتاق اس قدر ہے کہ راہ دن رات تک رہا ہے

میر ضمیر کے نامور شاگرد مرزا دبیر عرصہ سے مرثیہ گوئی کی مشق کر رہے تھے انھوں نے اُستاد کی پیروی میں شہزادۂ علی اکبرؑ کے حال کا مرثیہ طرز جدید میں لکھا اور مطلع بھی اُسی شان کا کہا ع - سب محفلوں میں نور کی محفل ہے یہ محفل ✤ جس مجلس میں یہ مرثیہ پڑھا گیا اُس میں خواجہ آتش بھی تشریف فرما تھے - جب گھوڑے کی تعریف میں حسب ذیل بند مرزا صاحب نے پڑھا :-

وہ رخش تھا یا ابلق ایّام کا اقبال نکہ شکہ سے درست اور جوان بخت جوان سال
جادو کی نظر آنکھ فقط معجزے کی چال خورشید کے سُم برق کی دُم سنبلہ کی بال
قوت کی طبیعت تھی - دلیری کا جگر تھا
سرعت کا بدن - فہم کا دل عقل کا سر تھا

خواجہ آتش نے پکار کر فرمایا کہ "بھئی سلامت علی خدا تم کو سلامت رکھے - کون کہتا ہے کہ تم فقط مضامین اچھے کہتے ہو - تم سے بہتر دوسرا شاعر زبان بھی نہیں کہہ سکتا -

مرثیہ گوئی کے آسمان پر ضمیر و دبیر ماہ و مشتری کی طرح چمکنے لگے - قدر دانوں کی جوہر شناسی اور اہل کرم کی گوہر پاشی نے لکھنؤ کی خاک پاک سے بیسیوں مرثیہ گو پیدا کر دیے لیکن ان بزرگوں کے سامنے کسی کا چراغ روشن نہ ہو سکا اور جس کسی نے مقابلہ پر آنے کی ہمت کی زک پائی اور شرمندگی اُٹھائی -

عام طور پر خیال کیا جانے لگا کہ مرثیہ گوئی درجۂ کمال کو پہونچ گئی اور اب اس صنفِ سخن مین ترقی کی گنجایش باقی نہین۔ یکایک خورشید نے رخ سے نقاب اُٹھائی، گردونِ نیرنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا۔ میر خلیق کے بلند اقبال صاحبزادے میر ببر علی انیس نے فیض آباد سے آکر لکھنؤ مین مجلس پڑھی اور رزم بزم کی وہ چلتی پھرتی تصویرین دکھائین کہ "ہذا اکبر" کی صدا ہر گوشہ سے آنے لگی۔

انھون نے طرزِ مرثیہ گوئی مین کوئی خاص جدّت نہین کی بلکہ ضمیر و دبیر کے محاسنِ کلام کا ایک مرقع بنایا اور اسپر میر خلیق کی محاورہ بندی اور میر حسن کی داستان نگاری کا رنگ و روغن چڑھا کر طلسمات کا عالم دکھا دیا۔

اگلے معبودون کی پرستش کرنے والے عرصے تک کوشش کرتے رہے کہ خداوندِ جدید کے سامنے سر بسجود نہ ہون لیکن کلام مین وہ معجزہ تھا کہ سب کی گردنین جھک گئین۔

خاموش ہین گو شیشۂ دل چور ہوئے ہین
اشکون کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہین

میر ضمیر واجد علی شاہ کے عہد تک زندہ رہے اور کہا جاتا ہے کہ آخری زمانہ مین انھون نے ایک بے نظیر مرثیہ (۱۸۰۰) بند کا لکھا تھا جو مشہور ہوتا تو دبیر و انیس دونون کے چراغ گل ہو جاتے۔ مگر یہ حکایت غالباً افسانہ ہے۔

بڑھا بھی دیتے ہین کچھ زیبِ داستان کے لیے

اُن کا کلام جو اس وقت موجود ہے مرزا دبیر کے دفترِ ماتم سے بہت کم وزن ہے اور میر انیس کا حریف مقابل اس صنفِ سخن مین اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ صرف مرزا دبیر علیہ الرحمۃ کی ذاتِ بابرکات ہے۔

ان دونون باکمالون کے نقشِ قدم پر چلنے والے سیکڑون پیدا ہوئے لیکن دوسرون کا کیا ذکر ہے خود اُن کے بھائی بیٹے بھی گوئے سبقت نہ لیجا سکے۔ خاندانِ انیس مین سے

مونس ونفیس۔ اور خاندان دبیر مین سے مرزا اوج نے بہت زور مارا لیکن کلمۂ انصاف یہ ہے کہ اپنے بزرگون کے ہم قدم بھی نہ ہو پائے۔ آگے بڑھنا تو بہت دشوار تھا۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

انیس و دبیر مرثیہ گوئی کو اس نقطۂ عروج تک پہونچا گئے جس کے بعد زوال ہی زوال ہے۔ ان دونون مین صدر نشین فی الحقیقت کون تھا؟ یہ مسئلہ اس وقت تک زیر بحث ہے علامۂ شبلی نے "موازنۂ انیس و دبیر" مین مرزا دبیر کو میر انیس کا حریف مقابل قرار دینا بد مذاقی کی دلیل سمجھی ہے۔ لیکن یہ بد مذاقی اس قسم کی تھی کہ سارا لکھنؤ جو اس وقت شعر وسخن کی ٹکسال تھا۔

رند کھل جاتا ہے یان کھوٹے کھرے کا پردا

لکھنؤ اہل ہنر کے لیے ٹکسال ہے آج

اسی بلا مین گرفتار تھا اور ان دونون باکمالون کو حریف مقابل سمجھتا تھا۔

"موازنہ" ہندوستان کے ایک مشہور انشاپرداز کے قلم سے نکلا اور اس مین خیالات کا اظہار نہایت بیباکی اور دلیری سے کیا گیا۔ سارے ملک مین آگ لگ گئی۔ دبیریے تو ناراض ہوئے ہی بعض انیسیے بھی خوش نہ ہوئے اس کی تردید مین کئی کتابین شائع ہوئین جنمین سے "المیزان"، ادب اردو مین ایک بیش قیمت اضافہ ہے۔ لیکن اصل واقعہ یہ ہے کہ دبیر کا بہترین کلام علامۂ شبلی کی نظر سے نہین گذرا تھا ورنہ وہ دبیر کی بابت ایسی غیر منصفانہ رائے قائم نہ کرتے جیسی کہ "موازنہ" سے ظاہر ہوتی ہے۔

مؤلف حیات دبیر[۱] کا بیان ہے کہ "جب علامہ نے حیات دبیر کو پڑھا اُن کی رائے بہت کچھ تبدیل ہو گئی اور انھون نے صاف الفاظ مین اعتراف کیا کہ مجھکو یہ حالات پہلے نہین معلوم تھے۔

حیات دبیر۔ جلد دوم حصہ اول صفحہ ۲۸۔

دونون اُستادون کی روش جداگانہ ہے۔ میر انیس کا کلام فصیح اور شیرین ہے اور مرزا دبیر کا دقیق و ملیح۔ شیرینی اور نمک دونون کی بنی آدم کو احتیاج ہے۔ اور ایک کو دوسرے پر من کُل الوجوہ ترجیح نہین دی جاسکتی۔ البتہ میر انیس کو یہ فوقیت مرزا صاحب پر حاصل ہے کہ اُن کے کلام کی سادگی و تاثیر عرصہ تک زندہ رہیگی اور مرزا دبیر کی شوکت الفاظ و بلند پردازی مٹ جائیگی۔ مرزا دبیر نے جو صنائع و بدائع اپنے کلام معجز نظام مین صرف کیے اُن کے سمجھنے والے ہندوستان مین بہت کم باقی ہین۔ اور اگر مشرقی علوم سے بے توجہی کا یہی عالم رہا تو چند ہی روز مین شاید کوئی شخص ان صنائع سے لطف اُٹھانے والا ہندوستان مین تلاش کرنے سے بھی نہ ملیگا۔ برخلاف اس کے میر انیس کی سادہ زبان اور محاورہ بندی اُس وقت تک مزہ دیگی جب تک کہ اردو زبان زندہ ہے۔ فسانۂ عجایب جان بلب ہے۔ اور چار درویش برقرار ہے۔ گلزار نسیم پر خزان آنے کا اندیشہ ہے۔ مثنوی میر حسن سدا بہار ہے۔ سہ نثر ظہوری اور مثنوی غنیمت اب سمجھنا دشوار ہے۔ گلستان اور بوستان سے ہر فارسی دان لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ سید افضل حسین ثابت لکھنوی نے اپنے بے نظیر گنجینۂ واقعات "حیات دبیر" مین اُن تمام صنعتون کا مفصل تذکرہ کیا ہے جو مرزا دبیر کے کلام مین پائی جاتی ہین۔ مگر افسوس ہے کہ اُن مین سے بیشتر کا۔ زمانۂ حال کے تعلیم یافتہ طبقہ نے نام بھی نہ سنا ہوگا!!

مرزا دبیر کی معنی آفرینی اور سحر طرازی دیکھنا ہو تو المیزان اور حیات دبیر کے زرین صفحات ملاحظہ فرمایئے۔ میر صاحب کے کلام کا نمونہ ان اوراق پریشان مین موجود ہے۔ ان دونون باکمالون کے معتقدین نے ایک زمانہ مین وہ طوفان برپا کر رکھا تھا کہ بقول سالک دہلوی "ایک طرف کا معتقد دوسری طرف والون مین ایسے دیکھا جاتا تھا جیسے موحدین مین مشرک اور مسلمانون مین کافر"

مرزا دبیر کے مشہور ہرسیہ گو شاگرد میاں مشیر[۱۵] نے اپنے مخصوص انداز مین سچ کہا تھا:-

جھگڑا بکر کا ہے نہ جناب امیر کا — اب قصہ رہ گیا ہے انیس و دبیر کا

راقم آثم کے لیے ان بزرگون کی زبان سے نکلا ہوا ہر ایک مصرعہ تبرک ہے۔ وہ ان دونون شہنشاہان سخن کے متحد المضامین اشعار کا نمونہ پیش کرتا ہے اور ترجیح کا فیصلہ ناظرین کے ذوق سلیم پر چھوڑتا ہے۔

بسوگند گفتن کہ زر مغربی ست — چہ حاجت محک خود بداند کہ چیست

حاشیہ صفحہ ۲۷۔ ۱ شیخ گوہر علی مشیر مرزا دبیر کے شاگرد اور شریعت ہرسیہ گوئی کے پیغمبر تھے۔ میر ضمیر کو جس طرح مرثیہ کے طرز نو کی ایجاد کا شرف نصیب ہوا اُسی طرح دشمنان اہل بیت کی ظرافت آمیز ہجو مین ہرسیہ ایجاد کرنے کا امتیاز بھی حاصل ہے۔ "ہرسیہ" ایک بے معنی لفظ ہے۔ مگر غالباً ہرسیہ سے مرثیہ کے وزن پر بنا لیا گیا ہے۔ مرثیہ کا مضمون پر عظمت تھا۔ اگر ظرافت شامل کیجاتی تو مجلس ماتم بزم طرب بن جاتی۔ مشہور ہے کہ کسی ذاکر نے ایک مجلس مین لشکر دشمن کے پہلوان کی بابت یہ مصرعہ پڑھا۔

آیا تھا بھونکتا یہ ریکتا ہوا بھاگا

تمام اہل مجلس ہنس پڑے اور اس کا اثر مجلس کے ختم تک زائل نہ ہوا۔ ہنسنے ہنسانے کے لیے لکھنؤ مرحوم کے زندہ دلون نے یہ صورت نکالی کہ آٹھوین ربیع الاول کو عزاداری سے فراغت کرکے ۹۔ ربیع الاول کو جشن عید منعقد کرتے تھے اور اس دن قاتلان حسین کے انجام پر خوشی مناتے تھے۔ کہتے ہین کہ اس عید مین سب سے پہلے میر ضمیر نے "ہرسیہ" پڑھا اور اُن کی تقلید مرزا دبیر اور میر انیس وغیرہ نے بھی کی۔ میان مشیر نے ساری طاقت ہرسیہ پر صرف کر دی اور اس فن مین اُن کا مد مقابل بننے کی کسی کو جرأت نہین ہوئی۔ رعایت لفظی مین امانت کو مات کیا اور ایسے نادر محاورے استعمال کیے جن کی سند سوائے اُن کے کلام کے کہین نہین مل سکتی۔ اُنھون نے مختلف قومون اور اہل پیشہ کی اصطلاحین کثرت سے نظم کین اور اردو شاعری کو ظرافت و شوخی کے انمول خزانہ سے مالا مال کر دیا۔ اُن کے بعض مصرعے مثلاً "مغلی بنی تھی جائے وہ کشمیری ہو گئی" یا "ماضی ہو گے حال نہ پہچانے جائینگے" ضرب المثل کے طور پر بزم احباب مین استعمال ہوتے ہین۔ اور اُن کا ہر شعر ہنسنے والون کے لیے زعفران زار کی کیاری ہے۔ افسوس ہے کہ پھول کے ساتھ کانٹون کا اتنا انبار ہے کہ اس مقدمہ کی تہذیب اُن کے بار کی متحمل نہین ہو سکتی۔ اور دامن گلچین کو گزند پہونچنے کا اندیشہ ہے۔ ورنہ اُنکے بعض ہرسیون کا انتخاب اس مقام پر درج کرتا۔ نمونہ کے طور پر حسب ذیل اشعار جن مین رعایت لفظی کے طومار ہے

(۱) دنیا بے حقیقت ہے

دبیر — کھانے کا مزہ فقط زبانی نکلا | باقی سامانِ عیش فانی نکلا
چاہا تھا کہ ہاتھ دھوئیں دنیا سے دبیر | اتنا بھی نہ اس کنوین مین پانی نکلا

انیس — راحت کا مزہ عدو سے جانی نکلا | دل سے نہ کبھی غمِ نہانی نکلا
پیاسے رہے آگے چاہ دنیا پہ انیس | نکلا بھی کبھی تو شور پانی نکلا

(۲) احوال حضرت حُر

دبیر — حُر کو کیا بخت کبریا نے بخشا | یہ نام اُسے بخت رسانے بخشا
جب عذر گنہ کرتا تھا کہتے تھے حسینؑ | مین نے بخشا مرے خدا نے بخشا

انیس — جب حر کا گنہ شاہ امم نے بخشا | قطرے کو شرف بحر کرم نے بخشا
گردون سے ندا آئی کہ اے سبطِ نبی | تو نے جسے بخشا اُسے ہم نے بخشا

(بقیہ صفحہ ۲۸) ۔ امانت کو شرمندہ کیا ہے نقل کیے جاتے ہین ۔

(ہندوستانی عورت ایک مغل کی شکایت لیکر حاکم کے سامنے جاتی ہے)

وہ بولی صدقے جاؤن مصیبت سنو مری | مسّی تلک نہ دی مجھے لوٹا دھڑی دھڑی
گہنا تمام لے گیا ملبوس لے گیا | ہاتھوں کی چوہے دتیان تک مُوس لیگیا
چوری کا حال صاف بتانا مجھے پڑا | سفنی ہون شہ چھپڑ ے کی گلی مین کڑا بجا
ہتیا ئے کنگن ایسے یہ مغلے شریر ہین | جوشن لیے گواہ صغیر و کبیر ہین
نتھ ناک سے اُتار لی مُتہ کیل کر مرا | اور چھپکا دیکھ سونے کا تو یذ بھی لیا
لے بھاگا ڈھولنا مرا قرآن کی قسم
انگشتری چرائی سلیمان کی قسم
کیا کیا مین تڑپی بجلیون کے واسطے میان | بالا بتا کے لے گیا بچپن کی بالیان
چٹنے مرے اُتار لیے آگئی خزان | بیچھن اننت رام کے ہاتھون وہ انتیان
سب چیز بست باندھ کے لیتے ہین لے گیا
موتی کے جھالے پاتی برستے مین لے گیا

(۳) فکر ما بعد الموت

دبیر۔ برزخ کی صعوبات کٹے گی کیونکر — تنہائی میں اوقات کٹے گی کیونکر
غفلت میں دبیر صبح پیری ہوئی شام — دن رات ہوا۔ رات کٹے گی کیونکر

انیس۔ درد والم ممات کیونکر گذرے — یہ چند نفس حیات کیونکر گذرے
پیری کی بھی دوپہر ڈھلی شکر انیس — اب دیکھیں لحد کی رات کیونکر گذرے

(۴) سفرِ آخرت و بے ثباتیِ دنیا

دبیر۔ آج آئے ہیں کل کوچ کی تیاری ہے — غفلت میں کٹی عمر یہ ہشیاری ہے
دنیا ہے عجب مقام حیرت نہ کھلا — یہ عالم خواب ہے کہ بیداری ہے

انیس۔ اب خواب سے چونک وقت بیداری ہے — لے زاد سفر کوچ کی تیاری ہے
مر مر کے پہونچتے ہیں مسافر یاں تک — یہ قبر کی منزل بھی غضب بھاری ہے

(۵) شاعرانہ خود ستائی

دبیر۔ شیران مضامین کو کہاں بند کرون — کیا طبع کا دریائے رواں بند کرون
خلاق مضامین تو سبھی ہیں لیکن — کھل جائے حقیقت جو زبان بند کرون

انیس۔ گلہائے مضامین کو کہاں بند کرون — خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کرون
میں باعثِ نغمہ سنجیِ بلبل ہون — کھولے نہ کبھی منھ جو زبان بند کرون

(۶) خاکساری

دبیر۔ بندون پہ کرم حضرت باری کا ہے — مقدور کسے شکر گذاری کا ہے
دی ہے جو خدا نے سرفرازی مجھکو — ثمرہ یہ نہال خاکساری کا ہے

انیس دل کو مرے شغل غمگساری کا ہے — غفلت میں بھی طور ہوشیاری کا ہے
گردون کو اگر ہے سرکشی کا غرّہ — ہم کو بھی غرور خاکساری کا ہے

(۷) اظہار کمال

دبیر گنجینہ جسے ربّ ہمارا دیتا ہے — وہ دارعطیۂ خدا دیتا ہے
خاموش حبابوں کے ہیں ظرف خالی — دریا میں ہیں موتی۔وہ صدا دیتا ہے

انیس رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے — وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی — جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

(۸) قبر

دبیر اک دن پیوندِ خاک ہونا ہوگا — تنہا۔تنہا۔لحد میں سونا ہوگا
اس قبر کے پردے کا کھلا حال دبیر — جو اوڑھنا ہوگا وہ بچھونا ہوگا

انیس آغوشِ لحد میں جب کہ سونا ہوگا — جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا
تنہائی میں آہ کون ہوئیگا انیس — ہم ہوئیں گے اور قبر کا کونا ہوگا

(۹) شیریں سخنی

دبیر شیریں سخنی پہ موردِ تحسین ہوں — واللہ نہ عیب بین نہ نکتہ چین ہوں
سکّے میں ہے میرے سخن شیریں سے — شکّر کا ہے کیا منہ جو کہے شیریں ہوں

انیس کس منہ سے کہوں لائق تحسین ہوں میں — کیا لطف جو گل کہے کہ رنگین ہوں میں
ہوتی ہے حلاوتِ سخن خود ظاہر — کہتی ہے کبھی شکر کہ شیریں ہوں میں

(۱۰) آنسو

دبیر مجلس میں گل اشک عزا لوٹے ہیں — ثابت ہے دلا شیشۂ دل ٹوٹے ہیں
یاں اشک ریائی کا بھی ہے مول بہت — موتی سچے ہیں جوہری جھوٹے ہیں

انیس داغ غمِ شہ سینے میں گل بوٹے ہیں — کیا کیا گہر بیش بہا لوٹے ہیں
مجلس میں ریا سے جو کہ روتے ہیں انیس — اشک اُنکے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں

(۱۱) طلوعِ آفتاب

دبیر — تھی بسکہ صبحِ قتلِ شہنشاہِ نامدار — اہلِ حرم تھے جیب دریدہ و اشکبار
تارِ شعاع سے بھی ہوتا تھا آشکار — خورشید نے کیا ہے گریباں کو تار تار
پو پھٹتے ہی۔ رسول کا داماں پھٹ گیا
زہرا کے بھی کفن کا گریباں پھٹ گیا

انیس — تھا بسکہ روزِ قتلِ شہِ آسماں جناب — نکلا تھا خون ملے ہوئے چہرۂ آفتاب
تھی نہرِ علقمہ بھی خجالت سے آب آب — روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حباب
پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

(۱۲) دولت اور شرافت کا مقابلہ

دبیر — ساماں سے کوئی صاحبِ ایماں نہیں ہوتا — ہر اہلِ عصا موسیٰ عمراں نہیں ہوتا
پہنے جو انگوٹھی وہ سلیماں نہیں ہوتا — آئینہ گر اسکندرِ دوراں نہیں ہوتا
لاکھ اوج ہو پشہ کا ہما ہو نہیں جاتا
بت سجدۂ کافر سے خدا ہو نہیں جاتا

انیس۔ کچھ خارِ مغیلاں گلِ تر ہو نہیں جاتا — قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہیں جاتا
ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہیں جاتا — مس پر جو ملمع ہو تو زر ہو نہیں جاتا
جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰ نہیں کہتے
ہر ہاتھ کو عاقل یدِ بیضا نہیں کہتے

(۱۳) اولاد کا صدمہ

دبیر — وہ درد ہے کیا درد کہ درماں نہیں رکھتا — وہ رنج ہے کیا رنج کہ پایاں نہیں رکھتا
کس زخم کا مرہم دلِ انساں نہیں رکھتا — کس چاک کا پیوند گریباں نہیں رکھتا

بے صبر جس اندوہ مین ہر ایک بشر ہے
وہ داغ پسر داغ پسر داغ پسر ہے

جس درد کی تسکین مین عاجز ہین خردمند　　وہ درد ہے کیا۔ رحلت فرزند جگر بند
جب دست و گریبان ہو پدر سے غم فرزند　　وہ چاک یہی چاک ہے جس کا نہین پیوند
سچ پوچھو تو فرزند کلیجہ ہے پدر کا
ناسور جگر مین نہ ہو اس لخت جگر کا

فرزند گل باغ تمنائے پدر ہے　　بے قدر ہے وہ شاخ جو بے برگ و ثمر ہے
تعویذ تسلی دل خلق پسر ہے　　داغ اس کا شگاف جگر و زخم جگر ہے
کیون دل مین پدر کے نہ ہو ناسور خلف کا
جب چاک گہر کے لیے سینہ ہو صدف کا

انیس　دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ　　دل کو فگار کرتا ہے لخت جگر کا داغ
آنکھون کا نور کھوتا ہے نور بصر کا داغ　　مرنا جوان بیٹے کا ہے عمر بھر کا داغ
یہ حال ابن فاطمہؓ کے دل سے پوچھیے
زخم جگر کے درد کو گھائل سے پوچھیے

مان باپ کی آسایش و راحت ہے پسر سے　　تلخی مین بھی جینے کی حلاوت ہے پسر سے
خون جسم مین آنکھون مین بصارت ہے پسر سے　　ایام ضعیفی مین بھی طاقت ہے پسر سے
آرام جگر۔ قوت دل۔ راحت جان ہے
پیری مین یہ طاقت ہے کہ فرزند جوان ہے

مالک سے بھرے گھر کے اجڑ جانے کو پوچھو　　گھر والون سے اس تفرقہ پڑ جانے کو پوچھو
مان باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو　　یعقوبؑ سے یوسفؑ کے بچھڑ جانے کو پوچھو
اللہ دکھائے نہ الم نور نظر کا　　بہجاتا ہے آنکھون سے لہو قلب و جگر کا

(۱۴) راکب و مرکب

دبیر- مرکب تو ہے پر راکبِ ذیشان بھی ہو ایسا — طور ایسا ہو تو موسیِ عمران بھی ہو ایسا
اورنگ ہو ایسا تو سلیمانؑ بھی ہو ایسا — اس شان کی ہو رحل تو قرآن بھی ہو ایسا
آہو بھی کہیں - شیرِ حجازی ہو تو ایسا
غازی ہو تو ایسا ہو جو تازی ہو تو ایسا

انیس- تھا زین فرس رحل تو قرآن شہ والا — وہ تخت ہوا تھا تو سلیمانؑ شہ والا
وہ دوشِ صبا بوئے گلستاں شہ والا — وہ برج شرف نیرِ تاباں شہ والا
بو گل کی نسیم سحری لے کے چلی ہے
غل تھا کہ سلیمانؑ کو پری لیکے چلی ہے

(۱۵) امام حسینؑ کی شہزادی سکینہؑ کو وصیت وقت رخصت

دبیر- سینے پہ مرے سو چکیں اب خاک پہ سونا — آخر ہے زمیں بھی تو غریبوں کا بچھونا
گو قہر ہے اس سن میں جدا باپ سے ہونا — لاشہ مرا تڑپیگا - بہت مجھکو نہ رونا
گر چاہو مری روح ہو ناشاد سکینہؑ
تو غم میں مرے کیجیو فریاد سکینہؑ

انیس- دنیا ہے یہ شادی ہے کبھی اور کبھی آلام — راحت کی کبھی صبح مصیبت کی کبھی شام
یکساں نہیں ہوتا کسی آغاز کا انجام — وہ دن گئے کرتی تھیں جو اس سینے پہ آرام
ضد کر کے نہ اب باپ کو رو یا کرو بی بی
جب ہم نہ ہوں - تم خاک پہ سو یا کرو بی بی

(۱۶) زلف و رخ

دبیر- لاریب جرم ہے جو کہیں چاند رخ کو ہم — ہے چاند میں تو جرم یہ بے جرم لاجرم
رخ ہے وہ صبح شمس ہیں جسکے غلام — گیسو وہ شب کہ قدرِ شبِ قدر جس سے کم

گیسو و رخ تو قدرت داور دکھاتے ہین
ہر وقت صبح و شام برابر دکھاتے ہین

انیس۔ پیدا ہے زلف و روئے منور سے شان رب — نکلا ہے آفتاب میان سواد شب
یہ لطف عید اور شب قدر مین ہے کب — ہین دو طرف تو جبین و خط بیچ مین حلب
رستہ نہ بھول جائے مسافر ہجوم مین
اک شب کا فاصلہ ہے فقط شام و روم مین

(۱۷) گرمی

دبیر۔ وہ دھوپ کہ مرغان ہوا کرتے ہین نالا — بس ہاتھ دھرا قبضہ پہ اور پڑ گیا چھالا
بریان ہوا دانہ بھی زراعت مین جو ڈالا — اس دھوپ مین اس لو مین کھڑے ہین شہ والا
پانی کے عوض آگ برستی ہے زمین پر
پر تیرون کی بوچھار ہے جسم شہ دین پر

انیس۔ وہ دھوپ کی تیزی غضب اور لو کا وہ چلنا — وہ دوپہر اس دشت کی اور دن کا وہ ڈھلنا
ہر ایک بدن سے وہ پسینے کا نکلنا — اور تن پہ حرارت سے وہ ہتھیارون کا جلنا
جنگل کے پرندے سبھی جھیلون مین پڑے ہین
اور دھوپ مین پیاسے شہ مظلوم کھڑے ہین

دبیر۔ مٹی خراب چرخ پہ ہے برج آب کی — رنگت ہے برج حوت مین ماہی کباب کی
دریا مین آنکھ بیٹھ گئی ہے حباب کی — حدت ہے موج موج مین تیر شہاب کی
فوارے کو نہ حوض مین گرمی سے کل پڑی
پانی کی بھی زبان دہن سے نکل پڑی

انیس۔ گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان — انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشان

منھ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان　　تہ میں تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جان
پانی تھا آگ گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

(۱۸) امام حسینؑ کا مدینہ سے رخصت ہونا
اور
حضرت فاطمہ صغرؑا کو بیمار چھوڑنا

(سید فضل حسین ثابت لکھنوی مؤلف حیات دبیر نے اپنے ہیرو کے کلام سے بند انتخاب کر کے ایک مسلسل مرثیہ مرتب کیا ہے اور اردو شاعری کے چہرہ سے یہ داغ دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس میں کوئی ایپک پوئم (رزمیہ نظم) موجود نہیں۔ اسی طرح سید منظور علی علوی مؤلف واقعات کربلا[1] نے میر انیس کے کلام سے بند انتخاب کر کے ایک مسلسل مرثیہ مرتب کیا ہے۔ جامع الاوراق اس ناچیز تالیف کو ان بیش بہا منتخبات کا پہلا سین اقتباس کر کے زینت دیتا ہے)

کلام مرزا دبیر علیہ الرحمۃ

جب سراسیمہ وطن سے شہِ ابرار چلے　۱　سرفروشی کو شہادت کے خریدار چلے
کہتی تھی فاطمہ صغرا کہ ہمیں مار چلے　　لو مسیحا بھی مجھے چھوڑ کے بیمار چلے
ساتھ امّاں کے نہ ہمراہ پدر جاتی ہوں
لوگو بتلاؤ تو میں کیوں نہیں مر جاتی ہوں

ہاتھ پکڑے ہوئے اکبر کا ہیں بابا تیّار　۲　بھیّا اصغر کو لیے ہو گئیں امّاں بھی سوار
یہ نہ جانا ہے مرے دم سے لگی اک بیمار　　رو کے مجرا تو لیا اور نہ کہا برخوردار
ٹھہرو اے صاحبو ٹھہرو مجھے آ لینے دو

---

[1] یہ کتاب انوار المطابع لکھنؤ میں بقیمت عہ ملتی ہے۔

بھتیجا اصغر کو کلیجے سے لگا لینے دو

مجھ کو الفت ہے تمھاری تمھیں الفت ہی نہین (۳) ساتھ دوڑون جو سواری کے سو طاقت ہی نہین
امّان لین گود مین ایسی مری قسمت ہی نہین پیار آجائے پدر کو سو یہ صورت ہی نہین
لونڈیان ساتھ چلین آج عزیزوں کی طرح
مَیں جو بیٹی تھی رہی گھر میں کنیزوں کی طرح

جس نے چلنے کو کہا سب نے کہا بسم اللہ ۴ مجھ سے چھوٹون بھی نہ پوچھا مین گنہگار تھی آہ
گر خطا ہے یہ خطا ہے جو گنہ ہے یہ گناہ ان دنون شدت تپ سے مری حالت ہے تباہ
یہی نا دو دو پہر غش مین پڑی رہتی ہون
اب تو ہشیار ہون چلنے کے لیے کہتی ہون

بیٹھے بیٹھے مرا اس وقت کا چلنا دیکھو ۵ گرنا بے ساختہ مشکل سے سنبھلنا دیکھو
تپ مین کیا دیکھا تھا اب دل کا اُچھلنا دیکھو ہاتھ مین باندھتی ہون ہاتون کا ملنا دیکھو
زردی آنکھون کی تڑپ دل کی دھڑک سینے کی
سب یہ مرجانیکی باتین ہین نہین جینے کی

یک بیک میرے مقدر کا بگڑنا دیکھو ۶ پاؤں پڑتی ہوں مرا پاؤں رگڑنا دیکھو
سانس کا بات کے کہنے مین اُکھڑنا دیکھو حال یہ اس پہ عزیزون کا بچھڑنا دیکھو
غیر بھی ایسے مریضون کو نہ تنہا چھوڑین
حیف ہے بیٹی کو اس وقت مین بابا چھوڑین

میری خاطر جو کرین کیا ہے حرج میرے بن ۷ دل کے بہلانے کو ہمراہ ہین بچے کم سن
اُن کی خاطر ہے روا چلنا ہے جن کا ممکن میرا کیا آج اگر مر گئی کل دوسرا دن
اُنس کبرا د سکینہ کا ہے خوش ہونے کو
مجھ سے الفت کرین چالیسوین تک رونے کو

یہ تو اس کوچ سے اب ہوگیا صغراؑ کو یقین (۸) باپ کے ہاتھ کی مٹی مری قسمت مین نہین
سب کو بابا نے مرے سامنے اسواریان دین مجھکو تابوت ہی چھوٹا سا منگا دین شہ دین
بعد مرنے کے لب گور جو جائے صغراؑ
باپ کے ہاتھ کا تابوت تو پائے صغراؑ

اماں واقف ہین مجھے بھاتی ہے اصغرؑ کی لحد (۹) کرتا پہنا ہوا اُس کا دیے جائین مجھکو
وقت مرنے کے وصیت یہ کرون گی رُو رُو کرتا اصغرؑ کا کفن مین مرے رکھیو لوگو
قبر مین بھائی کے کرتے پہ مرا ہاتھ رہے
یہ دوا دل کے تڑپنے کی مرے ساتھ رہے

ہائے ایسی مین ہون یہ تنہائی ہے اور سُونا گھر (۱۰) نہ خبر مجھکو تمھاری نہ تمھین میری خبر
دل کے بہلانے کو تم سب کے ہین بھیا اصغرؑ خالی جھولے سے مین ٹکراؤن گی یان اپنا سر
الفتین دیکھ کے ایک ایک کی مین سیر ہوئی
ہائے اللہ مری موت کو کیون دیر ہوئی

مین نے چاہا تھا نہ دکھلاؤن یہ حال اپنا زبون (۱۱) جاؤن در پر بھی نہ رخصت کے لیے مین محزون
پھر مین سوچی کہ حقیر اور بھی کہنے مین نہ ہون بات ہی جب نہ کوئی پوچھے تو کس سے روٹھون
متوجہ جو کسی کو مین نہین پاتی ہون!
آپ ہی روٹھتی ہون آپ ہی مَن جاتی ہون

کہتے کہتے یہ گری خاک پہ صغرائے ناگاہ (۱۲) سمجھے سب مر گئی وہ بولے کہ انا للہ
پردہ محمل کا اُٹھایا تو پکارین یا شاہ نامبارک ہے سفر مر گئی بیٹی مری آہ
کیا صغرائے نے سفر مین نہ سفر جاؤنگی
چھوڑ کے بیٹی کی میت کو کدھر جاؤنگی

اُترے روتے ہوئے گھوڑے سے امام خوشخو (۱۳) اور کہا کہدو ابھی کوچ کا نقارہ نہ ہو

گود مین بیٹی کو لیکر کہا بی بی بولو دیکھکر نبض دھرا ہاتھ کو دل پر رو رو
غش سے صغرے کے جو سب بیبیوں کو سکتا تھا
رو کے اصغرؑ بھی بس ایک ایک کا منہ تکتا تھا

ہوش مین آئی جو صغریؑ تو کیا شہ نے سوال (۱۴) اس نقاہت پہ مری جان سفر کا ہے خیال
بولی وہ مین بھی تو بابا یہی کرتی ہون سوال چھوڑ و تنہا اُسے تم گھر مین ہو جسکا یہ حال
بعد اگر آپ کے جانے کے غش آتا مجھکو
کون اس پیار سے گودی مین اُٹھاتا مجھکو

گو کہ مین غش مین بھی پر صاف یہ کانون سے سنا مجھکو غش آیا تو چلا کے یہ امان نے کہا
دوڑو صاحب کہ ہوئی غش مری بیٹی صغرےؑ بعد انکے بھی کوئی چاہے گا مجھکو ایسا
نانی صاحب کو بھی گو میری بہت الفت ہے
مان کی شفقت مین مگر اور ہی کچھ لذت ہے

دردِ سر سوزشِ دل رنج بخار ایک طرف (۱۶) اور یہ ہجر شہ عرش وقار ایک طرف
سو علاج ایک طرف آپ کا پیار ایک طرف لاکھ جینا ایک طرف شہ کا کنار ایک طرف
گر قضا ہے تو فراقِ شہ ابرار سے ہے
گر شفا ہے تو اسی شربتِ دیدار سے ہے

چاند کے ٹکڑے چلے ہین کئی ہمراہ حضور (۱۷) چشم بد دور کہ ہے راہ کا خطرہ مشہور
وقت پر چاہیے کچھ ان کے تصدق کو ضرور صدقے ہونے کے لیے چلتی ہے صغریٰ بخود
جس پہ تم چاہیو اس پر مجھے قربان کرنا
لیکن اصغرؑ پہ فدا کرنا تو احسان کرنا

یہ جو کہتے ہو کہ منزل مین کہان ہوگی دوا (۱۸) سو ابھی سے تمھین اس بات کی دیتی ہون رضا
آپ کی جان سے دور آئے اگر میری قضا نہ حرج کیجیے گا میرے لیے منزل کا

طور بے طور جہان دیکھیو اس دختر کے
چھوڑ جانا علی اصغر پہ تصدق کر کے

منھ پہ حضرت کے یہ کوئی نہ کریگا چرچا (۱۹) مردہ صغرا کا کئی دن رہا جنگل مین پڑا
اور کہیگا بھی تو ہے آپ کے کہنے کو بھی جا   اپنی بیٹی کا مین مختار تھا چاہا سو کیا
مردہ صغرا کا جو ویرانے مین چھوڑ آیا ہون
مرنے والی کی وصیت مین بجا لایا ہون

رو کے شہ بولے یہ کیا تو نے سنایا اے وائے ۲۰ اے مری جان ترا مردہ اور اس قابل ہائے
مرتے دم چھوڑ کے رستے مین تمھین بابا جائے   نہ تو نہلائے نہ کفنائے نہ لحد کو دفنائے
گو ثواب اس مین تجھے اے مری صغرا ہوگا
پر مرے واسطے دنیا مین کہو کیا ہوگا

ہے یہ وہ موت کہ ہاتھ آتی ہے ہر ایک کے کم ۲۱ اس مزے سے وہی واقف ہے جو ہو یون بیدم
رو کے صغرا نے یہ کی عرض کہ یا شاہ امم   پھر سزا وار ہے کون اس کا کہا شاہ نے ہم
جا کے سر منزل آخر مین جو کٹوائین گے
بے کفن چھوڑ کے سب ہم کو چلے جائین گے

یہ خبر سنتے ہی گویا ہوئی صغرا بیدم   تذکرہ کرنے لگے اور شہنشاہ امم
بانو صغرا سے لگی پوچھنے رخصت ہون ہم   بس نہ رو تمھین اپنے علی اصغر کی قسم
کچھ ہراسان ہوئی اور کچھ ہوئی مضطر صغرا
گر پڑی اونٹ کے نزدیک مچل کر صغرا

پھینک کر ٹوپی کو ہاتھون سے ملا منھ پہ غبار   کھولے بازو سے پھر اس رنج مین تعویذ ہزار
بالیان کانون سے خلخال لی پاؤن سے اتار   ہنسلیان طوق گلے سے بھی اتارے یک بار
کہا بانو نے کہ صغرا کو سنبھالو کوئی

غصہ آیا مری بی بی کو منالو کوئی

کہا صغرا نے کہ بس بس نہ کڑھاؤ امّاں (۲۴) کون ہوں میں مجھے کاہیکو مناؤ امّاں
اب یہ زیور بھی سکینہ کو پنھاؤ امّاں   میں نہیں بولتی جاتی ہو تو جاؤ امّاں
جان پر کھیلی ہوں زنہار نہیں جینے کی
لو قسم کل سے دوا بھی میں نہیں پینے کی

مرنے والی کے لیے کچھ نہیں زیور درکار (۲۵) جس کو چاہو اسے بخشش کرو تم ہو مختار
میں نہیں باندھوں گی لیجاؤ یہ تعویذ بکار   آپ کے ہاتھ کے پہنونگی نہ کرتے زنہار
آج سے فرش پہ صغرا کا نہ سونا ہوگا
سنگ تکیہ مرا اور خاک بچھونا ہوگا

کہا بانو نے میں صدقے گئی کچھ میری خطا (۲۶) مجھ پہ غصے ہوئیں اور باپ پے کچھ بس نہ چلا
بولی صغرا کہ میں ناحق تو نہیں تم سے خفا   تم جو لے چلتیں مجھے کیا کوئی شکوہ کرتا
ہے شکایت تمھیں صغرا کے خفا ہونے کی
میری غربت پہ ہے اس وقت جگہ رونے کی

رو کے بانو نے کہا میں تری غربت پہ فدا (۲۷) گر کہو اونٹ سے اب اُتروں میں بیکس دکھیا
ہاتھ باندھوں میں ترے پاؤں پڑوں اے صغرا   پھر ملوں یا نہ ملوں تم ہو ما در سے خفا
راہ بھر جاؤں گی روتی تری خاطر صغرا
پہلی منزل ہی میں ہو جاؤنگی آخر صغرا

ماں کی منت سے حیا آگئی بولی رو رو (۲۸) امّاں لو جاؤ سدھارو نہیں سونپا حق کو
بھیّا اصغر سے ذرا کہدو بہن کو دیکھو   دودھ پیتے ہوں تو تکلیف نہ دو کچھ نہ کہو
چاہتے ہیں جو مجھے آپ ہمک کر دیکھیں
دیکھوں اصغر کو میں اب اور مجھے اصغر دیکھیں

مان کے آغوش مین وان پی رہا تھا دودھ اصغر ۲۹ سن کے بیمار کی آواز وہ ٹھکا۔ روکر
کی ہر اک سمت کو الفت بھری آنکھون سے نظر   کہا صغرا نے ادھر دیکھو کھڑی ہون مین ادھر
سہمے سہمے ہوئے کچھ تم نگران ہوتے ہو
سرمہ آنکھون کا بہا جاتا ہے کیون روتے ہو

الوداع اے مرے ننھے سے مسافر نادان ۳۰ الوداع اے مرے معصوم مین تجھپر قربان
آج ہی منھ پہ ہے پردیسیون کی ساری شان   مسکرانا۔ نہ اشارہ۔ نہ ہمکنا اُس آن
میرے بھولے۔ مرے پیارے مرے کمسن بھائی
گھٹنیون بھی نہ چلے گھر مین تم اک دن بھائی

چشم بد دور جب ان آنکھون کا آئیگا خیال ۳۱ آنکھین رو رو کے شب و روز کرونگی مین لال
دل پہ لہرائینگے ہر دم یہ جھنڈولے ترے بال   انھین بالون کی طرح ہوگا پریشان مرا حال
چوسنے پر ان انگوٹھون کے ہو قربان صغرا
اب رہیگی یہان انگشت بدندان صغرا

ایک ایک دم مین ترے لاکھ دم اے نور نگاہ ۳۲ مصطفےٰ تیرے نگہبان علی پشت و پناہ
صد و سی سال ترے سر پہ سلامت رہین شاہ   باپ کے سایہ مین پروان چڑھائے اللہ
تب مین ہون اس لیئے گودی مین نہین لیتی ہون
ضامنی مین تمھین اللہ کی مین دیتی ہون

پھر یہ زینب سے کہا راتون کو مین تڑپونگی ۳۳ جلد تم لا دُگی بابا کو تو لونڈی ہونگی
ہان پھوپھی اپنے پدر کو مین تمھین سے لونگی   وہ بچارین۔ جو خدا چاہیگا تو ہان دونگی
وعدہ اسکا تو نہین تم سے کیے جاتی ہون
پر فدا کرنے کو دو بیٹے لیے جاتی ہون

اس طرح ہوتی تھی اک ایک سے رخصت بیمار ۳۴ کہ بجا کوچ کا نقارہ ہوئے شاہ سوار

درِ دولت سے بڑھی آگے سواروں کی قطار　ناگہاں آئی صدا ایک طرف سے اک بار
سبھو اب خانۂ پنجتن پاک ہوا
سنی جس جس نے وہ آواز جگر چاک ہوا

کلام میر انیس علیہ الرحمۃ

کفتانِ محمد کے حسینوں کا سفر ہے　۱　خورشید لقا زہرہ جبینوں کا سفر ہے
چھٹتا ہے وطن گوشہ نشینوں کا سفر ہے　اِک دن کا نہیں کوچ مہینوں کا سفر ہے
گلرو چمن دہر سے جانے کو چلے ہیں
گھر چھوڑ کے جنگل کے بسانے کو چلے ہیں

دشمن کو بھی اللہ چھڑائے نہ وطن سے　۲　جانے وہی بلبل جو بچھڑ جائے چمن سے
واقف ہے مسافر کا دل اس رنج و محن سے　چھٹتا نہیں وہ جان نکل جاتی ہے تن سے
آرام کی صورت نہیں مسکن سے بچھڑ کر
طائر بھی پھڑکتا ہے نشیمن سے بچھڑ کر

غربت کی بھی ہوتی ہے عجب صبح عجب شام　۳　کرتا ہے سفر قافلۂ رحمت آرام
وہ دشت نوردی وہ غم و صدمۂ و آلام　منزل پہ بھی ممکن نہیں راحت کا سرانجام
نیند آتی ہے کب لاکھ جو پٹکے وہ سر اپنا
یاد آتا ہے منزل پہ مسافر کو گھر اپنا

اُس فصل میں ہے نہضت فرزند پیمبر　۴　جن روزوں پکھیرو بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
اندھیر ہے خاک اُڑتی ہے لُو چلتی ہے دن بھر　جھیلوں سے پرندے بھی نکلتے نہیں باہر
یہ دھوپ میں حدّت ہے کہ سب گوشہ نشیں ہیں
سایہ کہاں پتے بھی درختوں میں نہیں ہیں

وہ لُو وہ تپش اور وہ گرمی کا مہینا　۵　سردی میں ہو ذکر اُسکا تو آجائے پسینا

دشوار ہے اس ہوپ مین معصومون کا جینا   ویرانہ ہے بستی مین اُجڑتا ہے مدینا
حضرت بھی گھلے جاتے ہین تشویش سفر سے
ہین ساتھ وہ بچے کہ جو نکلے نہین گھر سے

برپا ہے مدینہ مین تلاطم کئی دن سے ۶ ہے راحت و آرام و طرب گم کئی دن سے
ہر گھر مین ہے اک شورِ تظلم کئی دن سے   منھ ڈھانپے ہوئے روتے ہین مردم کئی دن سے
وہ غم ہے کہ آرام کا جویا نہین کوئی
راتین کئی گذری ہین کہ سویا نہین کوئی

کہتا ہے کوئی کیا ہوا یہ بیٹھے بٹھائے ۷ کیا جانیے خط کوفے سے کس طرح کے آئے
روضہ پہ نبیؐ کے شہِ دین رہنے نہ پائے   کچھ ایسا ہو یارب کہ یہ مظلوم نہ جائے
کوفے مین محبت نہ مرّوت نہ حیا ہے
خط مکر کے لکھے ہین بلانے مین دغا ہے

خلقت کا ہے مجمع درِ دولت پہ سحر سے ۸ جو آتا ہے روتا ہوا آتا ہے وہ گھر سے
سب کہتے ہین برسا کے لہو دیدۂ تر سے   چھپ جائیگا اب فاطمہؑ کا چاند نظر سے
اندھیر ہے گر یہ شہ والا نہ رہے گا
اب شہر کی گلیون مین اُجالا نہ رہے گا

در پر کوئی روتا ہے کوئی راہ گذر مین ۹ تاریک ہے دنیا کسی غمگین کی نظر مین
ہین جمع محلہ کی جو سب بی بیان گھر مین   اک حشر ہے ناموسِ شہِ جنّ و بشر مین
سب مل کے بکا کرتے ہین جب آتا ہے کوئی
یون روتے ہین جس طرح کہ مرجاتا ہے کوئی

سب کہتے ہین زینب سے کہ اے شاہ کی شیدا ۱۰ کس طرح کے خط آئے یکایک یہ ہوا کیا
پانی کی کمی گرمی کے دن خوف کا رستا   وہ دھوپ پہاڑون کی وہ لُو اور وہ صحرا

کیا سوچ کے اس فصل مین شبیر چلے ہین
بچون پہ کرو رحم کہ نازون کے پلے ہین

منھ دیکھ کے اصغر کا چلا آتا ہے رُونا ۱۱ آرام سے مادر کی کہان گود مین سونا
جھولا یہ کہان اور کہان نرم بچھونا لکھا تھا اسی سِن مین مسافر انھین ہونا
کیا ہوگا جو میدان مین ہوا گرم چلیگی
یہ پھول سے کمھلائین گے مان ہاتھ ملیگی

سنتے ہین یہ ہر وارد و صادر کی زبانی ۱۲ جھیلون مین بھی نہرون مین بھی سب خشک ہی پانی
اس فصل مین ہوتی ہے بہت تشنہ دہانی کس طرح جیین گے اسداللہ کے جانی
تو نسا ہوا بچہ کبھی جانبر نہین ہوتا
جب خشک ہوا پھول تو پھر تر نہین ہوتا

ہے ہے چھ مہینے کے بھی بچے کا سفر ہے ۱۳ کچھ تم کو بہارون کی بھی گرمی کی خبر ہے
غربت مین جو اتون کے تلف ہونے کا ڈر ہے رحم اسپہ ہے لازم کہ یہ بچہ گُلِ تر ہے
اصغر کو جدا دکھ ہو قلق مان کو جدا ہو
گرمی کے سبب دودھ جو گھٹ جائے تو کیا ہو

فرماتی تھین زینب نہین بہنو کوئی چارا ۱۴ قسمت مین تباہی ہے تو کیا زور ہمارا
گھر چھوڑکے جانا ہے کسی کو بھی گوارا مجبور ہے مضطر ہے یداللہ کا پیارا
ایّامِ مصیبت ہین یہ تنہائی کے دن ہین
غربت کی شبین بادیہ پیمائی کے دن ہین

باتین یہ ابھی تھین کہ شہِ بحر و بر آئے ۱۵ دیکھا رُخِ ہمشیر کو اور اشک بہائے
مان بیٹھی تھی صغرا کو جو چھاتی سے لگائے روتے ہوئے تشریف شہِ دین وہان لائے
بیٹی شہِ ذی جاہ کی تعظیم کو اُٹھی

بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اُٹھی

۱۶ جلد اُسکے قریب آکے یہ کہنے لگے حضرت بیٹھو کہ ابھی اُٹھنے کی تم مین نہین طاقت
اک ضعف کی تصویر ہو ایسی ہے نقاہت کیون رات کو کیسی رہی بی بی کی طبیعت
تپ مین جو کراہی تھین تو گھبرائے تھے صغرا
بیہوش تھین تم شب کو بھی ہم آئے تھے صغرا

۱۷ صحت تمھین حق دے یہی بابا کی دُعا ہے اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزا ہے
اب بادیہ پیمائی ہے ایذا ہے بلا ہے کیا جانیے شبیر کی تقدیر مین کیا ہے
دل جلتا ہے جب تپ مین تمھین پاتا ہون صغرا
اس رنج سے مین اور گھلا جاتا ہون صغرا

۱۸ ایسا صفر صعب[۱] اور اس طرح کا بیمار ڈر ہے کہ نہ بڑھجائے کہین راہ مین آزار
کیا نرگسی آنکھون سے نقاہت ہے نمودار سب دردہے اِزمانِ حرارت سے تن زار
چہرے پہ کسی روز بحالی نہین پاتا
سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہین پاتا

۱۹ دم چڑھتا ہے بستر سے اُٹھاتی ہو اگر سر بی بی کہو محمل مین چڑھا جائیگا کیونکر
گھر مین تمھین پانی کی بھڑک رہتی ہے دن بھر پھر کیا ہو کسی دن جو نہ پانی ہو میسّر
تم جانے کے قابل نہین مین رہ نہین سکتا
شب سے ہے یہ تشویش کہ کچھ کہہ نہین سکتا

۲۰ لُو چلتی ہے خاک اُڑتی ہے گرمی کے ہین ایّام منزل پہ نہ راحت نہ کہین راہ مین آرام
بستی مین کہین صبح تو جنگل مین کہین شام دریا کہین حائل کہین پانی کا نہین نام
صحت مین گوارا ہے جو تکلیف گذر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مرجائے

[۱] صعب بالفتح دشوار — بالضم غلط ہے

گھر مین تمھین چھوڑدون یہ نہین دل کو گوارا ۲۱ لیجاؤن تو بچنا نہین ممکن ہے تمھارا
بچون مین کوئی تم سے زیادہ نہین پیارا مجبور ہون بے ہجر نہین اب کوئی چارا
فرقت مین سدا نالہ و فریاد کرونگا
اُترونگا جو منزل پہ تمھین یاد کرونگا

صغرا نے کہا آپ کی الفت کے مین قربان ۲۲ پھر کس کو ہو گر آپ کو لونڈی کا نہ دھیان
صدقے گئی صحت کا بھی ہو جائیگا سامان مولا کی توجہ ہے ہر اک درد کا درمان
جس پر نظرِ لطفِ مسیح دوسرا ہو
برسون کا ہو بیمار تو اک دن مین شفا ہو

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت ۲۳ تپ کی بھی ہے شدت مین کئی روز سے خفّت
بستر سے مین خود اُٹھکے ٹہلتی بھی ہون حضرت پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت
حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو مرے منہ کا بھی مزہ تلخ نہین ہے

کیون روتے ہو بابا یہ تردد کی نہین جا ۲۴ سب سہل ہے کچھ مجھکو نہین ہونیکی ایذا
پہلے سے کہے دیتی ہون اے سید والا مین خانۂ ویران مین نہین رہنے کی تنہا
اب روح مرے جسم مین گھبراتی ہے بابا
ان باتون سے کچھ بوئے فراق آتی ہے بابا

مرجاؤن گی بچھڑی جو مسیح دوسرا سے ۲۵ صحّت مجھے ہو جائیگی حضرت کی دُعا سے
کٹ جائیگا اندوہِ سفر فضل خدا سے بیمار مین جان آئیگی جنگل کی ہوا سے
سب ساتھ ہین رو ؤنگی نہ غم کھاؤن گی بابا
لیٹی ہوئی محمل مین چلی جاؤن گی بابا

کیا تاب اگر منہ سے کہون درد ہے سر مین ۲۶ اُف تک نہ کرون بھڑکے اگر آگ جگر مین

قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر مین — بھولے سے بھی شب کو نہ کرا ہونگی سفر مین
ہوجانا خفا راہ مین گر روئیگی صغرا
یان نیند کب آتی ہے جو وان سوئیگی صغرا

ہر صبح مین پی لونگی دوا آپ بنا کر ۲۷ وہ بات نہ ہوگی کہ جو بے چین ہو مادر
لونڈی ہون سکینہ کی نہ سمجھو مجھے دختر — دن بھر مری گودی مین رہین گے علی اصغر
مین یہ نہین کہتی کہ عماری مین بٹھا دو
بابا مجھے فضہ کی سواری مین بٹھا دو

مین کہ نہین سکتا مجھے در پیش ہے جو راہ ۲۸ شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ
ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ — کھل جائیگا یہ راز بھی گو تم نہین آگاہ
ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہون صغرا
ہے مصلحت حق یہی جو کہتا ہون صغرا

تو مجھ سے بہلتی مرا دل تجھ سے بہلتا ۲۹ اے نور بصر آنکھون پہ لیکر تجھے چلتا
یہ ضعف کہ دم تک نہین سینے مین سنبھلتا — تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا
جز صبر علاج اور کوئی ہو نہین سکتا
دانستہ تمھین ہاتھ سے مین کھو نہین سکتا

پردیس سے آکر تمھین لیجائین گے بھائی ۳۰ تھوڑے ہی دنون ہوئیگی کنبے سے جدائی
ممکن ہے کہ مین اور نہ کرون وعدہ وفائی — کی مجھ سے نہ گر کوفے کی خلقت نے برائی
خوش ہونگا تم اب دل پہ اگر جبر کروگی
مر جاؤنگا جب مین تو نہ کیا صبر کروگی

بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر مین ۳۱ ثابت ہوا صغرا پہ کہ اب ہم رہے گھر مین
صدمہ سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر مین — اک جوش ہوا آنسوؤن کا دیدۂ تر مین

شکل اپنی شب ہجر جو دکھلا گئی اُس کو
کانپا یہ تنِ زار کہ تپ آگئی اُس کو
منہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم ۳۲ چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ موئے ہم
ماں کہتی تھی مختار ہیں بی بی شہِ عالم میرے تو کلیجہ پہ چھری چلتی ہے اس دم
وہ درد ہے جس درد سے چارا نہیں صغرا
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغرا
صغرا نے کہا کوئی کسی کا نہیں زنہار ۳۳ سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب کے ہیں غمخوار
بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مُردے سے محبت نہیں کرتا
پیاری ہیں جو دو بیٹیاں جائینگی وہ ہمراہ ۳۴ کیا اُنس کہ میں گور کنارے بھی تو ہوں آہ
بابا کو نہ اماں کو نہ بہنوں کو مری چاہ سب جیتے رہیں خیر ہمارا بھی ہے اللہ
بھولے سے نہ اب خاطر ناشاد کریں گے
میں قبر میں جب ہونگی تو سب یاد کریں گے
کیا خلق میں لوگو کوئی ہوتا نہیں بیمار ۳۵ ہے کون سی تقصیر کہ سب ہوگئے بیزار
زندہ ہوں پہ مردے کی طرح ہوگئی دشوار کیوں بھاگتے ہیں سب مجھے ہے کونسا آزار
حیرت میں ہوں باعث مجھے کُھلتا نہیں اسکا
وہ آنکھ چُرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں جس کا
عاشق مرے مشہور ہیں بھیّا کے میں واری ۳۶ دو دن سے خبر بھی نہیں لی آکے ہماری
قاسم کو غرض کیا جو سنیں گریہ وزاری میں کون سکینہ ہے چچا جان کو پیاری
اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہیں ہے

مٹی مری کچھ قبر کو دشوار نہین ہے

سب بیبیان رونے لگین سن سن کے یہ تقریر ۳۷ چھاتی سے لگا کر اُسے کہنے لگے شبیر
لو صبر کرو کوچ مین اب ہوتی ہے تاخیر منھ دیکھ کے چپ رہگئی وہ بیکس و دلگیر
نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
پوچھا، تو کہا منھ سے۔ یہ آنسو نکل آئے

پاس آن کے اکبر نے یہ کی پیار کی تقریر ۳۸ کیا مجھسے خفا ہو گئین صغرا مری تقصیر
چلّانے لگی چھاتی پہ منھ رکھکے وہ دلگیر محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پر سے اُتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفون پہ وارے مجھے کوئی

ہان سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہین جانا ۳۹ صحّت سے جو ہین اُن مین کہان میرا ٹھکانا
بھیّا جو اب آنا تو مری قبر پہ آنا ہم گور کی منزل کی طرف ہون گے روانا
کیا لطف کسی کو نہین گر چاہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہے تو یہ راہ ہماری

مرنا تو مقدم ہے خیال اس کا نہین زنہار ۴۰ دھڑکا ہے کہ جب ہونگے عیان موت کے آثار
قبلہ کی طرف کون کرے گا رُخ بیمار یٰسین بھی پڑھنے کو نہ ہو گا کوئی غمخوار
سانس اُکھڑ یگی جس وقت تو فریاد کرونگی
مین ہچکیان لے لیکے تمھین یاد کرون گی

مان بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قربان ۴۱ گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
بیکس مری بچّی ترا اللہ نگہبان صحّت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن
کیا بھائی جدا بہنون سے ہوتے نہین بیٹا
کنبے کے لیے جان کو کھوتے نہین بیٹا

مین صدقے گئی بس نہ کرو گریۂ و زاری ۴۲ اصغر مرا روتا ہے صدا سن کے تمھاری
وہ کانپتے ہاتھون کو اُٹھا کر یہ پکاری آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری
چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
اصغر مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہین سکتی ۴۳ تپ ہے تمھین بھائی سے بھی لپٹا نہین سکتی
جو دل مین ہے وہ لب پہ سخن لا نہین سکتی رکھ لون تمھین امّان کو مین سمجھا نہین سکتی
بیکس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے
تم ہو سو تمھین طاقتِ گفتار نہین ہے

معصوم نے جب سُن یہ سینی درد کی گفتار ۴۴ صغرا کی طرف ہاتھون کو لٹکا دیا اک بار
لے لیکے بلائین یہ لگی کہنے وہ بیمار جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار
دنیا سے کوئی دم مین گذر جائیگی صغرا
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مر جائے گی صغرا

عباس نے اتنے مین یہ ڈیوڑھی سے پکارا ۴۵ چلنے کے لیے قافلہ تیار ہے آقا
اُٹھے شہِ دین۔ گھر تہ و بالا ہوا سارا لپٹا کے گلے فاطمہ صغرا کو دوبارا
جس چشم کو دیکھا سو وہ پُرنم نظر آئی
اک مجلس ماتم تھی کہ برہم نظر آئی

بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار ۴۶ روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترت اطہار
فراشون کو عباس پکارے یہ بتکرار پردے کی قناتون سے خبردار خبردار
باہر حرم آتے ہین رسول دوسرا کے
شقّہ کوئی جھک جائے نہ جھونکون سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جائے ۴۷ آتا ہو ادھر جو وہ اُسی جا پہ ٹھہر جائے

ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گزر جائے   دیتے رہو آواز جہان تک کہ نظر جائے
مریم سے سوا حق نے شرف انکو دیے ہین
افلاک پہ آنکھون کو ملک بند کیے ہین

عباسؑ علی سے علی اکبر نے کہا تب   ۴۸   ہین قافلہ سالار حرم حضرت زینب
پہلے ہون وہ اسوار تو محمل مین چڑھین سب   حضرت نے کہا ہان یہی میرا بھی ہے مطلب
گھر مین مرے زہرا کی جگہ بنت علیؑ ہے
مین جانتا ہون مان مرے ہمراہ چلی ہے

زینب وہ محمل جو ہوئی دختر زہراؑ   ۴۹   ناقون پہ چڑھے سب حرم سید والا
آنے لگے رہوار کھلا گرد کا پردہ   عباس سے بولے یہ شہ یثرب و بطحا
صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے روح نبیؐ پر
رخصت کو چلو قبر رسول عربیؐ پر

ہے قبر پہ نانا کی مقدم مجھے جانا   ۵۰   کیا جانیے پھر ہو کہ نہو شہر مین آنا
امّان کی ہے تربت پہ ابھی اشک بہانا   اس مرقد پر نور کو ہے آنکھون سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبر حسنؑ سے

پیدل شہ دین روضۂ احمدؐ کو سدھارے   ۵۱   تربت سے صدا آئی کہ آ آ مرے پیارے
تعویذ سے شبیر لپٹ کر یہ پکارے   ملتا نہین آرام نواسے کو تمھارے
خط کیا ہین اجل کا یہ پیام آیا ہے نانا
آج آخری رخصت کو غلام آیا ہے نانا

خادم کو کوئی امن کی اب جا نہین ملتی   ۵۲   راحت کوئی ساعت مرے مولا نہین ملتی
دکھ کون سا اور کون سی ایذا نہین ملتی   ہین آپ جہان راہ وہ اصلا نہین ملتی

پابندِ مصیبت ہون گرفتارِ بلا ہون
خود پاؤن سے اپنے طرفِ قبر چلا ہون
مین اک تنِ تنہا ہون ستمگار ہزارون ۵۳ اک جان ہے اور درپئے آزار ہزارون
اک پھول سے رکھتے ہین خلش خار ہزارون اک سر ہے فقط اور خریدار ہزارون
وان جمع کئی شہر کے خونریز ہوئے ہین
خنجر مری گردن کے لیے تیز ہوئے ہین
فرمائیے اب جائے کدھر آپ کا شبیر ۵۴ یان قید کی ہے فکر اُدھر قتل کی تدبیر
تیغین ہین کہین میرے لیے اور کہین زنجیر خونریزی کو کعبے تلک آ پہونچے ہین بے پیر
بچ جاؤن جو پاس اپنے بلا لیجیے نانا
تربت مین نواسے کو چھپا لیجیے نانا
فرما کے یہ رو رو کے شہ سر کو جھکائے ۵۵ وان سے جو اُٹھے فاطمہ کی قبر پہ آئے
پائین لحد گر کے بہت اشک بہائے آواز یہ آئی کہ مین صدقے مرے جائے
ہے شور ترے کوچ کا جس دن سے وطن مین
پیارے مین اُسی دن سے تڑپتی ہون کفن مین
پہلو مین جو تھی فاطمہ کے تربتِ شبر ۵۶ اُس قبر سے لپٹے یہ محبت شہِ صفدر
چلائے کہ شبیر کی رخصت ہے برادر حضرت کو تو پہلو ہوا اماں کا میسر
قبرین بھی جدا ہین ترا افلاک ہماری
دیکھین ہمین لیجائے کہان خاک ہماری
یہ کہکے چلے قبرِ حسن سے شہِ مظلوم ۵۷ رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دھوم
یارانِ وطن گرد تھے افسردہ و مغموم چلاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
خالی ہوا گھر آج رسولِ عربی کا

تابوت اسی دھوم سے نکلا تھا سخی کا

تھا نانکے تلک شہر کے اک شورِ قیامت ۵۸ سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
رو رو کے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے رخصت پائیں گے کہاں ہم یہ غنیمت ہے زیارت
آخر کو بچھڑ کر کفِ افسوس ملیں گے
دس بیس قدم اور بھی ہمراہ چلیں گے

قسمیں انھیں دے دیکے کہا شہ نے کہ جاؤ ۵۹ تکلیف تمھیں ہوتی ہے اب ساتھ نہ آؤ
اللہ کو سونپا تمھیں آنسو نہ بہاؤ پھرنے کے نہیں ہم سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ
اس بیکس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
یارو مری صغرا کی خبر پوچھتے رہنا

روتے ہوئے وہ لوگ پھرے شاہ سدھارے ۶۰ جو صاحبِ قسمت تھے وہ ہمراہ سدھارے
کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدھارے عابد طرفِ خانۂ اللہ سدھارے
اترے نہ مسافر کسی مخلوق کے گھر میں
عاشق کو کشش لے گئی معشوق کے گھر میں

(۱۹) لشکرِ یزید کے ایک پہلوان کی تصویر

(حریفِ مخالف اگر حقیر اور ذلیل ثابت کیا جائے تو اس پر فتح پانے کی عزت گھٹ جاتی ہے اور اگر اس کی تعریف کیجائے تو مذہب مانع ہوتا ہے۔ ایسے مشکل موقع پر یہ دونوں شہنشاہانِ سخن حسبِ ذیل طرز اختیار کرتے ہیں۔)

دبیر

سرتا بقدم زہر، زباں سانپ، دہن غار شعلہ تھی نگہ، آنکھ تھی تنورِ شرربار
نخوت تھی وہ تیوری میں کہ تھے آپ بھی بیزار تلوار دھرے چہرے پہ خود بینی غدار
اشتر پہ وہ ناری تھا کہ شعلہ بھی دھواں تھا

یا ربیت کا لشتہ تھا کہ جادو سے روان تھا

فولاد کے قلعے مین چھپائے ہوئے سر کو	باندھے ہوئے زنجیر کے ٹیکے سے کمر کو
دو چلتون مین وسواس سے پنہان کیے سر کو	اندھیر کی نیت مین لیے منہ پہ سپر کو
لڑنے مین کمان چھوٹتی تھی ساتھ سے اُسکے
آرام نہ تھا چرخ کو بھی ہاتھ سے اُس کے

انیس

سر طبلک معکوس جبین حد سے فزون تنگ	غدار سیہ شور و جفا پیشہ و سرہنگ
کہنے کو بشر پر قد و قامت کا نیا ڈھنگ	حیران شب ظلمات ہو یہ تیرگی رنگ
پہلے سے یہ کالا تھا مُنہ اُس دشمن رب کا
بن جائے تو اعکس سے آئینہ حلب کا

لال آنکھیں وہ ظالم کی وہ منھ قبر سا کالا	شب ایک طرف دن کو ڈرے دیکھنے والا
قد دیو کی قامت سے بلندی مین دوبالا	دانتون کی کبودی دہن مار کا چھالا
شیر اُس کی صدا سن کے لرز جاتے تھے بن مین
فاسد تھی ہوا ان کی۔ وہ بدبو تھی دہن مین

بالا قد و کلفت و تنومند و خیرہ سر	روئین تن و سیاہ درون آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے۔ ترکش اجل کا گھر	تیغین ہزار ٹوٹ گئین جس پہ وہ سپر
دل مین بدی طبیعت بد مین بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

نکلا یہ سنکے غیظ مین اک پہلوان روم	گیتی کے چار دانگ مین تھی جس شقی کی دھوم
سرہنگ و پُر غرور و سیہ قلب و نحس و شوم	لنگر سے جسکے ہل گئی مقتل کی مرز بوم
مرحب تھا کفر و شرک مین طاقت مین گیو تھا

گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا

(۲۰) امام مظلوم کی بے کسی۔

دبیر

مومنو بے کس و بے یار ہے مظلوم حسینؑ سخت آفت میں گرفتار ہے مظلوم حسینؑ
کیا سراسیمہ و ناچار ہے مظلوم حسینؑ دل شکستہ جگر افگار ہے مظلوم حسینؑ
تیر سے کاری ہیں لگے زخم پہ شمشیروں کے
نیزوں کے زخموں میں پیوستہ ہیں پھل تیروں کے

سینہ زخمی ہے بدن زخمی کلیجا زخمی انگلیاں زخمی ہیں اور ساعد زیبا زخمی
ہونٹ زخمی ہیں گلا زخمی ہے ماتھا زخمی نام کس عضو کا لوں میں ہے سراپا زخمی
ایسے زخمی کو تو کافر بھی پلائیں پانی
حیف سیّد سے مسلمان چھپائیں پانی

دل کا یہ حال ہے پژمردہ ہوا جاتا ہے ایک دریا ہے کہ زخموں سے بہا جاتا ہے
ایک دم میں جو کئی بار غش آجاتا ہے کوئی برچھی کوئی تلوار لگا جاتا ہے
تیر اک ایک جگر میں جو قریب دل ہے
سانس کی آمد و شد سینے میں کیا مشکل ہے

تن سے گر کھینچتے ہیں ایک بھی پیکان شبیرؑ اتنے عرصے میں لگاتے ہیں عدو سیکڑوں تیر
کھا کے تیروں کو اگر کرتے ہیں قصد تکبیر پاس سے نیزے لگاتے ہیں دہن پر بے پیر
ایک پیکان جو سینے سے گذر جاتا ہے
خون کے روکنے کو دوسرا تیر آتا ہے

کیا رحیمی ہے کہ غصّہ نہیں آتا ہے ذرا کیا کریمی ہے کہ سر کرتے ہیں امت پہ فدا
کیا تحمل ہے کہ ہر ستم پہ ہے شکر خدا کیا شجاعت ہے کہ لاکھوں میں کھڑے ہیں تنہا

تیر بھی نیزے بھی سینے پہ لیے جاتے ہین
پر دُعا نانا کی اُمت کو دیے جاتے ہین

انیس

آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے   ظلم کی چاند پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہے
اس طرف لشکر اعدا مین صف آرائی ہے   یان نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے
برچھیان کھاتے چلے جاتے ہین تلوارون مین
"مارلو پیاسے کو" ہے شور ستمگارون مین

خون مین تر پیچ عمامے کے ہین سر زخمی ہے   ہے جبین چاند سی پر نور مگر زخمی ہے
سینہ سب برچھیون سے تا بہ کمر زخمی ہے   تیر بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے
ضرب شمشیر سے بیکار ہین بازو دونون
ظلم کے تیر سے مجروح ہین پہلو دونون

برچھی اگر کوئی پہلو پہ لگا جاتا ہے   مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آجاتا ہے
بڑھتے ہین زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے   بند آنکھین ہین سر پاک جھکا جاتا ہے
گرد زہرا و علی گریہ کنان پھرتے ہین
غل ہے گھوڑے سے امام دو جہان گرتے ہین

لاکھ شمشیر ہین اور ایک تن اطہر ہے   ایک مظلوم ہے اور ظالمون کا لشکر ہے
سیکڑون خنجر فولاد ہین اور اک سر ہے   نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ کوئی یاور ہے
باگ گھوڑے کی لٹکتی ہے اُٹھا سکتے نہین
سامنے اہل حرم روتے ہین جا سکتے نہین

اقتباسات کا سلسلہ طویل ہوگیا۔ اب صرف ایک شعر اور سُن لیجیے۔

دبیر   انصاف کہان سی ہو کہ دل صاف نہین ہے   دل صاف کہان سی ہو کہ انصاف نہین ہے

انیس عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہین ہے   اس دہر مین سب کچھ ہے پر انصاف نہین ہے

مغربی سادگی کے دلدادہ کہین گے کہ سعدی و فردوسی کو اگر جامی نظامی پر ترجیح ہے۔ شیکسپیر کی منزلت اگر ملٹن سے زیادہ ہے تو انیس کا مرتبہ دبیر سے بلند ہے اور وہ اس تحسین اور ستایش کا خراج وصول کرنے کے مستحق ہین جو بیسوین صدی عیسوی مین ہندوستان کے ہر گوشہ سے اُن کے کلام پر نثار کیا جا رہا ہے

مشرقی نازک خیالیون کے فدائی اصرار کرین گے کہ انیس و دبیر سپہر سخنوری کے شمس و قمر تھے جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا۔ دنیا کو دونون کی ضرورت تھی۔

اور اُن سا کوئی غرب سے تا شرق نہین ہے
دو ٹکڑے ہین اک سیب کے کچھ فرق نہین ہے

فقیر امیر کا مشرب صلح کل۔ یا مسلمان اللہ اللہ یا برہمن رام رام۔ وہ دونون کا ہم زبان بن جاتا ہے مگر (دبیریون کی نظر بچا کر) اُسکا عقیدہ وہی ہے جسکی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا۔

انیس اب تو ہلال و بدر کو یکسان سمجھتے ہین
رہی ہے منصفون مین قدر یہ صاحب کمالون کی

بزرگان ملک نے یہ رسم بنا لی ہے کہ کسی شاعر یا ادیب کی سوانح عمری لکھتے ہین تو اُس کے کلام کا دوسرے مشاہیر سے مقابلہ کر کے اپنے ہیرو کی ترجیح ثابت کرتے ہین۔

بعض برادران وطن نے یہ ظلم شروع کیا ہے کہ اپنے پست و بلند کلام کا حریفون کے سست و پست سخن سے موازنہ کر کے رند و صبا کا مرتبہ مرزا و میر سے بڑھا دیتے ہین۔

تقابل کلام ادب کے لیے مفید ہے بشرطیکہ انتخاب دیانت سے کیا جائے اور جن اساتذہ کے رشحات قلم سے موازنہ مدنظر ہو تو اُن کے متحد المضامین اشعار نقل کر دیے جائین۔ مشک کی بو چھپ نہین سکتی اہل نظر خود امتیاز کر لین گے کہ کس کا مرتبہ اعلیٰ ہے۔

یہ اصول پیش نظر رکھکر اس تالیف مین کلام انیس کی لطافتین۔ نزاکتین دکھانے اور منطق و

فلسفہ کے دلائل سے میر صاحب کا پلہ گران تر ثابت کرنے کی کوشش نہین کی گئی۔ میر صاحب اور اُنکے حریف مقابل مرزا دبیر کے متحد المضامین اشعار درج کر دیے ہین اور میر صاحب کا تفوق ثابت کرنے کے بہانے سے کتاب کا حجم نہین بڑھایا ہے۔

خورشید کو کچھ حاجت زیور نہین زنہار
پھولون پہ کوئی عطر لگائے تو ہے بیکار

ہندوستان مین مرثیہ کی عہد بعہد ترقی کا ایک اجمالی خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کر دیا گیا اور ہر دور کے بعض شعرا کا کلام بھی بطور نمونہ درج کیا گیا جس سے ثابت ہو گیا کہ اس ملک مین مرثیہ ابیات سے شروع ہوا۔ پھر مربع کہا گیا۔ سکندر و سودا نے مسدس کا آغاز کیا۔ میر ضمیر نے رزم و سراپا مرثیون مین شامل کیا۔ اور غلط الفاظ جن کا استعمال بیان مصائب مین جائز سمجھا جاتا تھا ترک کیے۔ میر انیس نے اس فن کو معراج کمال تک پہونچایا اور مرثیہ گوئی کو حقیقی شاعری بنا دیا۔ ادبی حیثیت سے اس صنف سخن کو خوب عروج ہوا مگر مورخ کی نظر مین ترقی معکوس ہوئی۔ بچپن مین جو سادگی اور صحت روایات کا التزام تھا عنفوان شباب مین باقی نہ رہا اور جوانی کے وقت ضعیف اور موضوع حکایات کا گہنا اس قدر پہنایا گیا کہ اصلی خط و خال بھی چھپ گئے۔ مرثیہ کا مقصود محبان حسینؑ کو رُلانا تھا اور ایک ہی قسم کی روایات بار بار سنتے سنتے عزاداروں کے آنسوؤں کا خزانہ خشک ہو گیا تھا ضرورت تھی کہ کتب احادیث و مقاتل سے غیر مشہور حکایتین تلاش کی جائین اور اُن پر شاعری کا روغن چڑھا کر مجالس مین گرمی پیدا کی جائے حق تکلے آؤ آبکلے اوتیاکی کا فرمان شعرائے لکھنؤ کی چشم عقیدت کا سُرمہ تھا۔ غم حسینؑ مین رونا رُلانا داخل عبادت سمجھکر اُنھون نے ہر ایک درد انگیز روایت کو بے تکلف نظم کرنا شروع کیا اور اس تحقیق کی کوشش نہین کی کہ کون سی روایت ضعیف ہے اور کون سی موضوع زعفر جن ابو الحارث آہوان چین اور شہزادی حلب وغیرہ کے افسانے جن پر زمانۂ حال کے تعلیم یافتہ اعتراض کرتے ہین اسی سلسلہ مین نظم ہو گئے۔ راویون کی جرح و تعدیل علم حدیث کا دشوار ترین

شعبہ ہے ایک ہی راوی کو بعض علما ثقہ اور متدین اور دوسرے مبتدع اور وضّاع بتاتے ہین۔اگر شعرا اپنا وقت عزیز تحقیق رواۃ مین صرف کرتے تو "سیرت اور "رجال" کو شاید فائدہ پہونچتا لیکن شاعری رخصت ہوجاتی اور جو سرمایہ دلکش نظمون کا آج ہمارے پاس موجود ہے عالم وجود مین نہ آتا۔ دیکھیے حضرت امام کا مجبور ہوکر اپنی عزیز بیٹی کو بیماری کی حالت مین تنہا خانہ ویرانی مین چھوڑنا نہایت ضعیف روایت ہے اگر یہ حکایت نظم نہ کی جاتی تو اردو شاعری اس بے نظیر بیت سے محروم رہجاتی جو حضرت صغرا کی زبان سے میر صاحب نے ادا کی ہے۔ ؎

حیرت مین ہون باعث مجھے کھُلتا نہین اسکا
وہ آنکھ چُرا لیتا ہے مُنہ تکتی ہون جس کا

اسی طرح حضرت شہر بانو کا معرکۂ کربلا مین موجود ہونا روایات صحیحہ سے ثابت نہین اگر سخن سنج اس قصہ کی تحقیق شروع کرتے تو وہ بے شمار دردناک اشعار جو "رخصت امام از اہل حرم" کے موقع پر شعرا نے اُن کی زبان سے ادا کیے ہین نظم اردو کو نصیب نہ ہوتے حضرت قاسم کی میدان کربلا مین شادی مسلمانون کا ایک گروہ بے بنیاد قرار دیتا ہے۔اگر اس حکایت کے نظم کرنے سے احتراز کیا جاتا تو دردانگیز اشارون کا وہ لازوال گنجینہ نصیب نہوتا جو اسی قصّہ کی بدولت دستیاب ہوا ہے۔ضمیر کا مصرع۔ دستِ بریدہ مین کہین کنگنا بندھا ہوا اردو زبان کو میسر نہ آتا اور میر انیس نہ کہ سکتے کہ ؎

کیا جانے ہوگا قبر مین کیا حال باپ کا
جی لگ گیا عروس کی باتون مین آپ کا

حضرت شہر بانو کی آزاد کردہ کنیز شیرین کا قصہ نہایت مشتبہ ہے۔لیکن نظم اردو کو اسی روایت کے طفیل مین یہ شعر نصیب ہوا کہ ؎

جام شربت کے بھرے ابن حسنؑ کی خاطر　　گہنا پھولون کا رکھا لاکے دُلھن کی خاطر

حضرت سکینہ کا زندانِ شام مین وفات پانا یقیناً غلط ہے لیکن مرزا دبیر کا مشہور مرثیہ ۔ ع جب قبر سکینہ پہ حرم آئے سوم کو۔ اسی حکایت کی بنا پر سوز و گداز کی تصویر بنا۔ مؤرخ کی نگاہ مین شہنشاہانِ سخن کی یہ کمزوری کتنی ہی معیوب ہو لیکن نظم اردو جواہرات کی اُن قیمتی لڑیون پر ہمیشہ ناز کرتی رہیگی اور شاعری کی سرکار سے مرثیہ گویانِ لکھنؤ اس قصور پر ہدفِ اعتراضات کبھی نہ بنائے جائین گے کہ اُنھون نے ضعیف و موضوع روایات کو نظم کیا۔ اگر ایک امر محال کو شاعر نے ممکن فرض کر لیا اور اُس خود ساختہ عالم مین اپنی سحر طرازی کا جلوہ دکھایا تو نقادانِ سخن کو اس اعتراض کا کوئی منصب نہین کہ جدید عالمِ امکان کیون بنایا گیا البتہ اگر اُس نو ایجاد دایرہ مین شاعر کا کوئی بیان مقتضائے حال کے خلاف ہو تو اُس کی قادر الکلامی پر اعتراض کیا جائے گا۔ مرثیہ گویون نے غلط روایتین نظم کین۔ لکھنؤ کے شادی و غمی کے رسوم عرب پر منطبق کیے۔ جوہی اور بیلے کے پھول عراق کے جنگل مین بچھا دیے۔ یہان تک تو مضائقہ نہ تھا لیکن غضب یہ کیا کہ اہل مجلس کو رُلانے کے شوق مین بعض موقعون پر حضرت امام اور اُن کے اہل حرم کے اصلی کیرکٹر پر بھی پردہ ڈال دیا۔ اُن کی زبان سے ایسے الفاظ ادا کرائے جن سے بے صبری اور شکوے شکایت کی بو آتی ہے۔ وہ سب کے سب میدان رضا و تسلیم کے شہسوار تھے اور اہل محبت کے قول کے مطابق کربلا کا معرکہ عشاق کے صبر و تحمل کا امتحان تھا

جب عاشق امتحان صبر و وفا مین کامل نکلا تو معشوق خود عاشق بن گیا اور آج دنیا مین اس داستان عشق و محبت کی وہ شہرت ہے جو کائنات عالم کے کسی ہنگامے کو خواب مین بھی نصیب نہین ہوئی۔ گریہ و زاری تو بڑی چیز ہے اگر حضرت کے دل مبارک پر میل بھی آتا تو دنیا کا تختہ اُلٹ جاتا۔ دشمنون کی کیا مجال تھی کہ وہ آپ کو قتل کر سکتے یا اہل حرم کو تاراج کرنے کی جرات کرتے۔ افسوس ہے کہ اُس برگزیدۂ عالم کی زبان سے بعض مرثیہ گویون نے ایسے اضطراب اور بے صبری کے کلمات کہلائے جو اُن کے غلامانِ غلام پر بھی زیب نہین دیتے۔ میرانیس نے جناب امام علیہ السلام کے صبر و رضا اور شوق شہادت کا بیان

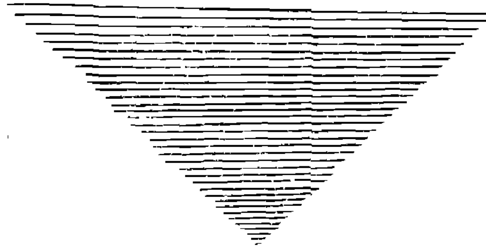
نہایت ہی مؤثر اور بلند الفاظ مین کیا تاہم اس رسم دیرینہ کو وہ قطعًا ترک نہ کر سکے اور اُن کے کلیات مین بھی بعض جگہ ایسے خلافِ شان کلمات پائے جاتے ہین جو نہ ہوتے تو بہتر تھا۔

یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ کربلا کی لڑائی "رزمیہ نظم" کے لیے مناسب مضمون تھی یا نہین مرثیہ گویون نے معرکۂ جنگ اس زور شور سے بیان کیا کہ الفاظ سے دل پر ہیبت طاری ہوتی ہے۔ لڑائی کے تمام ساز و سامان آلات و اسلحہ تفصیل سے لکھے۔ حریفون کے داؤن پیچ بھی خوب دکھائے۔ لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ دنیا کی کوئی مشہور رزمیہ نظم ایسی نہین ہے جسمین شاعر کے ہیرو کو شکست ہوئی ہو۔ یونان کی قدیم ایپک الیڈ شاعر کے ہم قومون کی فتح کی داستان ہے۔ آڈیسی اُس کے ایک ہم وطن کی بحری کامیابیون کا ترانہ ہے۔ رامائن راجہ رامچندر کی فتحمندی کا نغمہ ہے۔ مہابھارت سری کرشن جی کی امداد سے اُن کے دوستون کی کامیابی کا راگ ہے۔ سکندر نامہ مین نظامی کا ہیرو ہر معرکہ مین سرخرو ہوتا ہے۔ شاہنامہ مین رستم ہر ایک مہم کو سر کرتا ہے۔ حملۂ حیدری مین حضرت اسد اللہ الغالب کے فتوحات کی روایت ہے اور انگلستان کی مشہور نظم پیریڈائز لاسٹ مین اگرچہ بیان رزم بہت مختصر ہے مگر جس قدر ہے اُس کا انجام حق کی ظفر ہے۔

کربلا کی لڑائی نہ تو مہابھارت کے سے وسیع پیمانہ پر تھی اور نہ اس سے دنیا کی تاریخ مین جنگ سکندر و دارا کی طرح فورًا کوئی انقلاب پیدا ہوا۔ بلکہ ظاہرا باطل نے حق پر غلبہ پایا اور ایک مدت کے لیے حق پرستون کی طاقت بالکل زائل ہو گئی۔ اس دردناک انجام پر غم کرنا آنسو بہانا تو واجب ہے اور مرثیہ گوئی کے لیے یہ بہترین مضمون ہے لیکن حرمان و حسرت کے علاوہ اور بھی بہت سے انسانی جذبات کی تصویر رزمیہ نظمون مین کھینچی جاتی ہے جو مرثیون مین کسی طرح شامل نہین ہو سکتی۔ زمانۂ حال کے تعلیم یافتہ اردو شاعری مین ایک پوئم کا موجود نہ ہونا اپنے ملکی زبان کے چہرہ پر ایک نہایت بدنما داغ تصور کرتے اور کلیات دبیر و انیس سے اشعار انتخاب کر کے ایک مسلسل رزمیہ نظم تیار کرنا چاہتے ہین۔ بے شک مرثیہ گویان لکھنؤ کے

کلام سے سیکڑون شعر ایسے تلاش کیے جا سکتے ہین جن کا جواب فردوسی اور نظامی کے کلیات مین نہ مل سکے۔ تاجداران کشورسخن کے لیے ایک مسلسل نظم بھی لکھدینا چندان دشوار نہ تھا مگر وہ غالبًا بیسوین صدی کے روشن خیالون سے زیادہ دوراندیش تھے اور اُنھون نے پہلے ہی دریافت کرلیا تھا کہ واقعۂ کربلا کا بیان رزمیہ نظم کا موضوع بنانے کے لیے مناسب نہین اس لیے اپنا جوہر کمال دکھانے کے لیے اُنھون نے رزمیہ شاعری کے تمام شرائط جمع کر دیے لیکن شاہنامہ و سکندرنامہ کا جواب نہین لکھا۔ اور مسلسل نظم تیار نہین کی۔

غرض مرثیہ کا مقصود نہ تاریخ نویسی ہے اور نہ بیان رزم۔ وہ صرف درد وغم کے جذبہ کو حرکت دینے کا آلہ ہے اور اس حیثیت سے میر انیس اور اُن کے ہم عصرون نے جو کچھ کہا خوب کہا۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!!



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گلشن مین صبا کو جستجو تیری ہے　　بلبل کی زبان پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ مین جلوہ ہے تری قدرت کا　　جس پھول کو سونگھتا ہون بو تیری ہے

نام ونسب انیس تخلص - ببر علی نام - خاندان سیادت سندی تھا اور شاعری گھرانے مین میراث چلی آتی تھی - ان کے اجداد مین سے میر امامی موسوی شاہجہان کے عہد مین ہرات سے دلّی آئے - فاضل متبحر اور فقیہ بے مثل تھے - شعر وسخن سے بھی ذوق رکھتے تھے - جوہر شناس بادشاہ کی شرفا پروری سے سہ ہزاری منصب پایا اور اسی ملک مین آباد ہوگئے -

چار پشتون تک یہ خاندان دلّی مین معزز وممتاز رہا - جب سلطنت مغلیہ کا آفتاب اقبال لب بام آیا شرفا نوازی اور قدر سخن کا کال ہوا - میر امامی کے پرپوتے غلام حسین ضاحک[۱]

---

[۱] غلام حسین ضاحک بن عزیز اللہ بن برات اللہ بن میر امامی ہروی - مولوی محمد حسین آزاد نے میر ضاحک کو میر تقی ومرزا رفیع سودا کی صف مین جگہ دی ہے لیکن اپنے تذکرہ آب حیات مین صرف ایک ہی شعر ان کا درج کیا ہے -

کیا دیجیے اصلاح خدائی کو دگرنہ　　کافی تھا ترا حُسن اگر ماہ نہ ہوتا

انکے باکمال صاحبزادے میر حسن تحریر فرماتے ہین کہ "قبلہ گاہی سلمہ اللہ تعالےٰ باین ہمہ قدرت علم چون طبائع سامعان را درخور سخن بلند نیافتند بقدر حوصلہ آنہا بطرف ہزل توسن قلم راندند بحکم آنکہ "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" - لیکن زبان عجیب وغریب طرح کردہ اند کہ از آدم تا این دم کسی نہ گفتہ چنانچہ یک مطلع ترقیم می نماید -

یا ایہا اللانکہ کرو بیان جھلانکہ　　کل تو بچی پرابیہ فرد بکاسرہ"

تاریخ وفات معلوم نہین لیکن صاحب تذکرہ گلزار ابراہیمی ۱۱۹۶ھ مین کہتے ہین کہ میر ضاحک فیض آباد مین ہین اور دارستگی سے گذران کرتے ہین - یہ مسلم ہے کہ میر ضاحک کا انتقال میر حسن سے پہلے ہو چکا تھا - آب حیات مین ہے "میر ضاحک کا انتقال ہوا تو سودا فاتحہ کے لیے گئے اور دیوان اپنا ساتھ لیتے گئے - بعد رسم عزا پرسی کے اپنی ایذا گوئی پر جو کہ اس مرحوم کے حق مین کی تھی بہت سے عذر کیے اور نوکر سے دیوان منگوا کر جو ہجوین اُن کی کہی تھین سب چاک کر ڈالین - میر حسن نے بمقتضائے علو حوصلہ وسعادت مندی اُسی وقت دیوان باپ کا گھر سے منگایا اور جو ہجوین اُن کی تھین وہ پھاڑ ڈالین "

جو مرزا رفیع سودا کے ہم عصر - نہایت خوش طبع - زندہ دل اور خندہ جبین تھے - حوادث روزگار سے ترک وطن پر مجبور ہوئے اور اپنے خلف الرشید میر حسن کو ساتھ لیکر جس کی عمر اُس وقت صرف بارہ سال کی تھی نواب وزیر اودھ کے سایۂ عاطفت مین فیض آباد پہونچے - شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ کی محل خاص امۃ الزہرا بیگم[1] نے اُس وقت فیض آباد کو دلّی کا ایک محلہ بنا رکھا تھا - ان کی فیاضی اور سیر چشمی ضرب المثل تھی - دلّی کا ادنیٰ اور اعلیٰ جو آجاتا اُس کے ساتھ برادرانہ سلوک کرتی تھین - آوارہ وطن سادات کی خاطر مدارات تعظیم و تکریم ہوئی اور یہ خانوادہ فضل و کمال فیض آباد مین آباد ہو گیا -

شجاع الدولہ کی وفات کے بعد نواب آصف الدولہ مسند نشین ہوئے - ان کا فیض آباد مین دل نہین لگا - اپنی ماں "بہو بیگم" کی روک ٹوک سے گھبرا کے شکار کے بہانے فیض آباد سے لکھنؤ آگئے - اور یہین محلسرائین - باغات اور بازار تیار کرا کے رہ پڑے -

مرکز حکومت لکھنؤ مقرر ہوا تو تعلقات شاہی کی وجہ سے میر ضاحک اور میر حسن کی آمد و رفت لکھنؤ مین جاری ہوئی اور مثنوی سحر البیان کا فخر روزگار مصنف اسی زمین کا پیوند ہوا - اُستاد وقت مصحفی نے "شاعر شیرین زبان" مادۂ تاریخ وفات نکالا -

اس ثناخوان کے بزرگون مین ہین یکایک اِلخ ۔۔۔ جدِ اعلےٰ سے نہ ہو گا کوئی اعلےٰ مدّاح
باپ مدّاح کا مدّاح ہے دادا مدّاح ۔۔۔ عمّ ذیقدر ثناخوانون مین یکتا مدّاح
جو عنایاتِ الٰہی سے ہوا نیک ہوا ۔۔۔ نام بڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا

---

[1] یہ موتمن الدولہ نواب محمد اسحاق خان شوستری کی بیٹی تھین - رنگیلے بادشاہ محمد شاہ نے ان کو اپنی بیٹی بنایا تھا - اور شجاع الدولہ کے ساتھ شادی کی تھی - جہیز مین شاہانہ ساز و سامان دیا - سسرال سے "بہو بیگم" اور "خاص محل" کا خطاب ملا - نواب آصف الدولہ انکے اکلوتے بیٹے تھے - ۱۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴) میر حسن نے عشرۂ اول ماہ محرم سنہ ۱۲۰۱ھ مین بعہد نواب آصف الدولہ بہادر وفات پائی اور مفتی گنج لکھنؤ مین نواب قاسم علی خان کے باغ کے پچھواڑے دفن ہوئے - لہذا یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ میر ضاحک نے سنہ ۱۱۹۶ھ اور سنہ ۱۲۰۰ھ کے درمیان انتقال فرمایا اور آپ کا مدفن بھی غالبًا لکھنؤ ہے - ۱۲ -

میرحسن کے تین بیٹے شاعر تھے جنہیں سے میرمستحسن خلیق اور میر محسن محسن ابتہ الزہرا بیگم کی سرکار سے تعلق رکھتے تھے۔ اور میر احسن خلق داراب علی خان کی خدمت مین حاضر باش تھے۔ ان سب کا قیام فیض آباد مین رہتا تھا۔ اگرچہ ضروریات زمانہ کبھی کبھی لکھنؤ جانے پر بھی مجبور کرتی تھین۔ خلیق اپنے پدر عالی قدر کے ارشاد کے مطابق ۱۹ سال کی عمر مین شیخ مصحفی کے شاگرد ہوے اور اس "شاعر گر" استاد نے اپنے تذکرہ مین خلیق کی شاگردی کا فخر و مباہات سے ذکر کیا ہے۔ انھون نے کچھ عرصہ تک عاشقانہ غزل گوئی کی مشق کی اور ایک مشاعرہ مین جہان خواجہ آتش بھی تشریف رکھتے تھے غزل پڑھی جس کا مطلع تھا:-

رشک آئینہ ہے اُس رشکِ قمر کا پہلو — صاف اِدھر سے نظر آتا ہے اُدھر کا پہلو

آتش نے اپنی غزل پھاڑ[1] ڈالی اور کہا کہ جب ایسا شخص فیض آباد مین موجود ہے تو میری کیا ضرورت ہے۔ وہ صاحب دیوان تھے مگر اُسے رواج نہین دیا۔ مرثیہ گوئی شروع کی اور سرمایہ مضامین جو بزرگون سے ورثہ پہونچا تھا زادِ آخرت مین صرف کر دیا۔ اُن کی نیک نیتی پھل لائی۔ خدا نے تین باکمال فرزند انیس مونس اُنس عطا کیے۔ جنہین سے خلف اکبر آفتاب بن کر چمکے اور سارے گھر مین اُجالا کر دیا ورنہ آج میرحسن کے سوا اس خانوادۂ سیادت مین سے کسی کا نام روشن نہ ہوتا۔

پیدایش اور طفولیت سنہ ۱۲۱۶ھ مین نواب سعادت علی خان اودھ کی مسند حکومت پر رونق افروز تھے۔ محلہ گلاب باڑی شہر فیض آباد مین انیس کی ولادت ہوئی۔ اُس زمانہ مین میر خلیق عسرت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ امرا و اعیان ریاست لکھنؤ مین تھے۔ فیض آباد اُجڑ رہا تھا۔ وہ ہر سال مرثیون کا جزدان بغل مین لیکر لکھنؤ جاتے پیر بخارا مین قیام کرتے۔ تین چار سو روپیہ حاصل کرکے لاتے اور پرورش عیال مین صرف کرتے تھے۔ صاحبزادہ کے پیدا ہوتے ہی کاشانۂ سیادت روشن ہو گیا۔ صورت کا رعب وداب

---

[1] آب حیات دور پنجم - میر مستحسن خلیق -

دیکھکر ببر علی نام رکھا۔ اور شکر الٰہی بجالائے۔ فیض آباد مین ایک ادبی دفتر "محاورات اصطلاحات و ضرب الامثال اردو" کی تدوین کا قائم تھا۔ میر حسن مرحوم اُس دفتر کے میر منشی رہے تھے۔ اب یہ خدمت میر خلیق کے سپرد ہوئی۔ جب کوئی جدید محاورہ محلات سے تراش کر نکلتا دفتر مین قلمبند ہوتا۔ جس گھرانے مین اس کی تحقیق و تنقید ہوتی تھی اُسی مین اس مولود مسعود نے آنکھین کھولین۔ خورشید کمال اپنے انتہائی عروج کے وقت بھی اس نعمت خداوندی پر فخر کرتا تھا۔ اور جب اُسکی محاورہ بندی یا روزمرّے پر کوئی معترض ہوتا تو فرماتے کہ "یہ میرے گھر کی زبان ہے حضرات لکھنؤ یون نہین بولتے"۔

تعلیم و تربیت

والد بزرگوار کو دفتر ادب سے تعلق تھا اور ماں بھی اتنی فارسی جانتی تھین کہ جامع عباسی پڑھ لیتی اور پڑھا دیتی تھین۔ اُن کی وضع اُن کا لباس اُن کی رفتار گفتار شرافت کا نمونہ سمجھی جاتی تھی۔ بہو بیگم کے توسل سے جو اخوان ریاست ہنوز فیض آباد مین مقیم تھے وہ اس غیور خاندان سیادت کی عزت اپنے لیے باعث آمرزش سمجھتے تھے۔ نکتہ رس بیگمات اور بذلہ سنج خواتین کی گھر مین آمد و رفت تھی اُنھین کے آغوش ادب مین میر صاحب نے پرورش پائی۔

جب سن شریف چار سال سے متجاوز ہوا شفیق باپ نے مکتب مین بٹھایا درسیات کی ابتدائی کتابین میر نجف علی سے پڑھین جو اُس وقت فیض آباد مین فاضل مستند تھے۔ عربی کی تکمیل لکھنؤ مین علامۂ عصر مولوی حیدر علی سے کی۔ یہ صحیح طور پر نہین کہا جا سکتا کہ انھون نے کس عمر مین تحصیل سے فراغت حاصل کی۔ اور عربی کی تکمیل لکھنؤ آکر اُسی زمانہ مین کی جب یہ خاندان فیض آباد مین تھا یا درجۂ فضیلت اُس وقت حاصل ہوا جب مستقل طور سے لکھنؤ مین سکونت اختیار کی چونکہ میر خلیق تقریباً ہر سال لکھنؤ آتے تھے اور غازی الدین حیدر کے وقت مین اُن کی کافی شہرت دار السلطنت مین ہو چکی تھی لہذا گمان غالب ہے کہ عالم شباب ہی مین کچھ عرصہ تک لکھنؤ رہکر میر صاحب نے رائج الوقت علوم کی تکمیل کی ہو۔

اہل لکھنؤ نے میر انیس کو طبقۂ علما مین کبھی شمار نہین کیا لیکن اُن کا علمی تبحّر اور وسعتِ نظر سب کو تسلیم تھی - کہتے ہین ایک روز کوئی صاحب صدرہ کی ایک عبارت پر بحث کر رہے تھے - میر صاحب نے اپنے حسن بیان سے اُس مسئلہ کو بغیر کتاب دیکھے اس خوبی سے حل کر دیا کہ سب سنکر دنگ[1] ہو گئے - یہ بھی مشہور ہے کہ میر صاحب کو بہ نسبت منقولات کے معقولات سے زیادہ دلچسپی تھی - اور اُن کے مختصر کتب خانہ مین ہر علم و فن کی ضروری کتابین جمع رہتی تھین - میر صاحب کا مشہور مطلع ہے :-

ع - جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے - ایک صاحب نے غائبانہ اعتراض کیا کہ "مسافتِ شب ماہتاب طے کرتا ہے نہ کہ "آفتاب" بات مشہور ہو گئی اور میر صاحب کے کان تک پہونچی - آپ نے برسرِ مجلس علم ہیئت کے استدلال سے فاصلۂ شب مین دورۂ شمسی کو ثابت کیا اور نکتہ چینون کو ساکت کر دیا -

اسی طرح ایک مرتبہ گھوڑے کی تعریف مین ارشاد ہوا تھا کہ

پامال نہون پھول جو گلزار پہ دوڑے[2]   سُم تر نہون گر قلزم ذخار پہ دوڑے
اس طرح رگِ ابر گہربار پہ دوڑے   جس طرح سے بجلی کی صدا تار پہ دوڑے

کسی نے اعتراض کیا کہ "بجلی کی آواز تار پر نہین دوڑتی ہے بلکہ حرکت دوڑتی ہے"۔ آپ نے علم طبعیات سے ثابت کیا کہ مادّی اشیا مین جب تصادم ہوگا آواز یقینی پیدا ہوگی "اور" وہ فاصلہ جو مادّۂ برقی کے خلا مین واقع ہے آواز سے مملو ہے خواہ وہ آواز مسموع ہو یا نہ ہو"۔

---

[1] حیات انیس صفحہ ۲۰ -

[2] بعض سفیہون نے اعتراض کیا کہ اس بند کی ردیف سے پہلو دم کا نکلتا ہے اُسکے جواب مین مرزا دبیر کے اس مصرعہ پر - ع - مین پہلوان چین ہون مرا خوشہ چین ہے یہ -
اور نیز اس مصرعہ پر - ع - پامال کر دا لاشون کو ٹاپون سے کچل کے -
انیسیون کی طرف سے نکتہ چینی کی گئی - اور کہا گیا کہ مرزا دبیر کے اس مصرعہ مین - پھوپھا بیٹا اُو انگوٹھا یہ سطر دکھلا دو نہایت مذموم پہلو ہے - لیکن یہ سب جاہلون کی باتین ہین - مہ نور می فشاند و سگ بانگ می زند -

فنون سپہگری

اُس وقت تک ہندوستان میں شجاعت و مردانگی کی بو باقی تھی شریف زادے شہسواری۔ سیف زنی اور نیزہ بازی کی مشق کیا کرتے تھے۔ انھوں نے بھی امرازادگانِ فیض آباد کے ساتھ اس ضروری فن کی مشق کی اور پھر لکھنؤ آکر اپنے پڑوسی میر کاظم علی سفید پوش کے بیٹے میر امیر علی سے جو پٹے۔ بانک۔ بنوٹ کے استاد تھے "علی مدد" لکڑی کا ٹھاٹھ اور بانک بنوٹ کی گھاتیاں سیکھیں۔ اور ایسی صفائی اور چابکدستی حاصل کی کہ کبھی کبھی استاد پر بھی چوٹ کر جاتے تھے۔ یہ تعلیم بھی غالباً اُسی زمانہ میں پائی جب وہ تکمیل عربی کے لیے لکھنؤ میں قیام پذیر تھے اور عنفوان شباب تھا۔ اُن کے استاد میر امیر علی[1] کہا کرتے تھے کہ میر انیس کو اُس عمر اور اُس حالت میں بھی اپنے رکھ رکھاؤ کا اتنا خیال تھا کہ کبھی ننگے بدن مشقِ فن نہیں کرتے تھے بلکہ اُس کے مناسب کپڑے تیار کرائے تھے اور بالاخانہ کی چھت پر مشق کرتے تھے جہاں میرے اور اُن کے سوا دوسرا نہ ہوتا تھا" یہ بھی قول تھا کہ "اگر میر انیس کے ہاتھ میں ایک گز لٹھے کے رومال میں مدو ساہی پیسہ بندھا ہوتا تو وہ دس لکڑی پھینکنے والوں سے بھی چوٹ نہ کھا سکتے تھے۔ اُن کی ضرب کو بنوٹ جاننے والے کے سوا کوئی روک نہ سکتا تھا" یہ تعلیم آگے چل کر میر سخن کے بہت کام آئی۔ میدانِ جنگ کی تصویر کشی میں مبارزوں کے فنون حرب۔ ایک دوسرے کے داؤں پیچ۔ نیزہ بازی کی گھاتیں جو آج ان کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہیں اسی مشق کے سلسلہ میں حاصل ہوئیں۔ اسی زمانہ میں ورزش بھی شروع کی تھی پچاس ساٹھ ڈنڑ فرش پر کرتے اور سو دو سو ہاتھ مگدر کے ہلاتے تھے۔ پیرانہ سالی میں ورزش گھٹ گئی تاہم چند ڈنڑ کرنا اور پچاس ساٹھ ہاتھ مگدر کے ہلانا موقوف نہیں ہوا۔

شکل و صورت

میر انیس کا رنگ سانولا اور قد مائل بہ درازی تھا۔ سر کے بال باریک ملائم۔ چہرہ خوبصورت کتابی۔ آنکھیں بڑی بڑی۔ ڈاڑھی باریک

[1] حیات انیس صفحہ ۲۲ و ۲۳۔

کترواتے تھے ایسی کہ لوگون کو منڈانے کا شبہ ہوتا ۔ گردن صراحی دار ۔ سینہ چوڑا ۔ چال نہایت نستعلیق ۔ آخر مین ضعف پیری نے قوائے مضمحل کر دیے تھے ۔ مگر جب منبر پر پہونچتے تو دور سے ایک خوب صورت نوجوان معلوم ہوتے اور خداداد قوت پیدا ہو جاتی تھی ۔ سر پر لکھنؤ کی بیضاوی تیج گوشیہ ٹوپی ۔ بدن پر گھیردار لانبا کرتا ۔ غرارے دار ڈھیلا پائجامہ ۔ پاؤن مین زرد مخمل کی جوتی ۔ ہاتھ مین پتلی چھڑی اور سفید رومال ۔ نوعمری سے پیری تک اسی وضع پر قائم رہے ۔ اور لکھنؤ کی آب و ہوا سے جو روز جدید فیشن تراشا کرتی تھی بالکل متاثر نہین ہوے ۔

شاعری کا آغاز

شاعرون کے گھر مین جنم لیا بچپن ہی سے شعر و سخن کی طرف طبیعت مائل تھی ۔ ہوش سنبھالتے ہی ابیات عاشقانہ گنگنانے اور اُن سے لطف اُٹھانے لگے ۔ ہزارون شعر اردو فارسی کے یاد تھے اور ایک ایک لفظ کی سند مین بیسیون شعر پڑھ دیا کرتے تھے ۔ جمادات ۔ نباتات ۔ حیوانات مین محاسن قدرت کا نظارہ بڑی دلچسپی سے کرتے تھے ۔ اور اسی لطف اندوزی نے چند سال کے بعد مناظر قدرت کی تصویر اُتارنے مین مانی و بہزاد پر فائق کر دیا ۔

نواب سید محمد خان رند[۵۱] جو عمر مین ان سے چار سال بڑے تھے کمسنی سے شعر کہتے اور میر خلیق سے اصلاح لیتے تھے ۔ اُن کی عشق انگیز صحبت نے حسن پرستی کی آتش پر ایسا تیل چھڑکا کہ پندرہ سولہ برس کے سن مین دل کا جوش اشعار کی صورت مین ظاہر ہونے لگا سلسلہ تعلیم جاری تھا ۔ مشق سخن باپ سے چھپاتے تھے مگر یہ آگ کب تک دبتی ؟ ایک موقع[۵۲] پر کہین مشاعرہ مین گئے اور غزل پڑھی ۔ وہان بڑی تعریف ہوئی ۔ شفیق باپ خبر سنکر باغ باغ ہوا ہونہار فرزند سے پوچھا کل رات کو کہان گئے تھے ۔ اِنھون نے حال بیان کیا ۔ غزل سنی اور

---

۵۱ ملاحظہ ہو تذکرۂ رند مطبوعہ انوار المطابع لکھنؤ قیمت ۴ر

۵۲ آب حیات ۔ دور پنجم ۔ تذکرۂ انیس جو بقیمت ۲ر انوار المطابع لکھنؤ سے مل سکتی ہے ۔

فرمایا کہ اب اس غزل کو سلام کرو اور اُس شغل مین زورِ طبع صرف کرو جو دین و دنیا کا سرمایہ ہے۔ سعادتمند بیٹے نے اس نصیحت پر عمل کیا۔ دنیا کو چھوڑکر دین کے دائرہ مین آگیا اور تمام عمر اسی رنگ مین صرف کردی۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ مین جو غزلین تصنیف کی تھین اُن کا مجموعہ خاندان مین محفوظ ہے لیکن چشمِ اغیار سے مخفی رکھا جاتا ہے اشعار ذیل اسی عہد کے کلام کا نمونہ ہین :-

ہوا ہے ابر ہے ساقی ہے مے ہے — مگر تو ہی نہین افسوس ہے ہے
لکھا کر زمین پہ نام ہمارا مٹا دیا — انکا تو کھیل خاک مین ہمکو ملا دیا

تجویزِ تخلص

جب عربی کی تکمیل کے لیے لکھنؤ مین قیام ہوا مشقِ سخن جاری تھی۔ سلام کہتے اور والد ماجد سے اصلاح لیتے۔ بیان مصائب کے لیے تخلص "حزین" مناسب تھا لہذا یہی تخلص اختیار کر رکھا تھا۔ اُس وقت لکھنؤ مین ناسخ و آتش کی محفلین گرم تھین۔ یہ دونون بزرگ میر خلیق کی زباندانی اور سخنوری کا لوہا مانتے ہوئے تھے۔ شیخ ناسخ اپنے شاگردون سے کہا کرتے تھے کہ "بھئی زبان سیکھنی ہے تو میر خلیق کے یہان جایا کرو"۔ میر خلیق گاہ گاہ شیخ ناسخ سے ملنے جاتے تھے۔ ایک روز اپنے اقبالمند صاحبزادے کو بھی ساتھ لیگئے۔ صحبت شعر و شاعری گرم تھی۔ شیخ صاحب نے میر انیس سے مخاطب ہوکر فرمایا "میان صاحبزادے کچھ اپنا کلام پڑھو"۔ میر صاحب نے والد کی اجازت سے یہ مطلع پڑھا :-

کھلا باعث یہ اُس بیدرد کے آنسو نکلنے کا — دھوان لگتا ہے آنکھون مین کسی کے دل کے جلنے کا

شیخ صاحب جھومنے لگے۔ میر خلیق سے فرمایا۔ فرزند ہونہار ہے۔ لیکن بجائے حزین کے تخلص کچھ اور ہو تو بہتر ہے۔ میر خلیق نے کہا۔ آپ ہی کوئی تخلص تجویز فرمائین۔ شیخ صاحب نے تھوڑی دیر سکوت کرکے فرمایا کہ مجھکو تو "انیس" پیارا معلوم ہوتا ہے"۔ حزین نے بکمال ادب سلام کیا اور اُسی وقت سے انیس ہوگئے۔

اصلاح غلط فہمی

میر مہدی حسن مولف واقعات انیس نے تحریر فرمایا ہے کہ "لکھنؤ کے اکثر کہن سال بزرگون سے دریافت ہوا کہ زمانۂ امجد علی شاہ مین میر انیس کا مستقل قیام لکھنؤ مین ہوا" اور اس بنا پر بعض محققین کو شبہ ہوا کہ عہد امجد علی شاہ سے پیشتر میر صاحب لکھنؤ مین تشریف لائے اور اُن کی شاعری کا آغاز اسی تاجدار کے عہد سے ہے۔ اس خیال کی تکذیب متذکرۂ بالا واقعہ سے بخوبی ہوتی ہے شیخ ناسخ نے ۱۲۵۴ھ مین وفات پائی اور امجد علی شاہ ۱۲۵۹ھ مین تخت نشین ہوئے۔ عہد امجد علی شاہ مین ناسخ زندہ ہی نہ تھے تخلص کیونکر تجویز کرتے۔ علاوہ اس کے امجد علی شاہ کے آغاز سلطنت کے وقت میر صاحب کی عمر ۴۲ برس کی تھی۔ اگر اس سن و سال مین وہ پہلی بار لکھنؤ تشریف لائے ہوتے تو میان امیر علی جنھون نے میر صاحب کو فنون سپہگری کی تعلیم دی تھی یہ کیونکر کہتے کہ "نوعمری مین بھی میر انیس کو خودداری کا لحاظ تھا" بے شک عہد امجد علی شاہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اُس متشرع سلطان کے زمانہ مین اس خاندان سیادت نے فیض آباد سے قطع تعلق کر کے مستقلاً سکونت لکھنؤ کی اختیار کی لیکن لکھنؤ کی آمد و رفت عرصے سے جاری تھی نصیر الدین حیدر کے عہد مین بھی میر انیس مرثیہ کہتے تھے اگرچہ مجلسون مین پڑھتے نہ تھے اور اس وجہ سے شہر مین کافی شہرت نہ تھی۔

(حاشیہ صفحۂ سلسلہ) تخلص کے متعلق حیات دبیر مین ایک لطیفہ درج ہے جو ناظرین کی تفریح طبع کے لیے یہان نقل کیا جاتا ہے۔ "مفتی میر عباس کے روبرو ایک انیسیے اور ایک دبیریے جھگڑ رہے تھے ہر شخص اپنے ممدوح کے کلام کو بڑھکر اُسکی خوبیان بیان کر کے دوسرے پر ترجیح دے رہا تھا رفتہ رفتہ دبیریے بولے "اور باتین تو درکنار ایک تخلص ہی کو دیکھیے کس قدر عظمت اور برکت نمایان ہے اُسکے وزن پر کس کثرت سے تخلص ہین۔ بشیر۔ منیر۔ سطیر۔ نظیر۔ قدیر۔ ظہیر۔ فقیر۔ امیر۔ وزیر۔ خبیر۔ نصیر۔ صغیر۔ سفیر۔ حقیر۔ صفیر۔ کبیر وغیرہ۔ دہان کیا ہے ڈھاک کے تین پات۔ انیس۔ نفیس۔ سلیس۔ آگے بڑھیے تو جلیس۔" مفتی صاحب نے فرمایا تخلص تو اُدھر بھی بہت ہو سکتے ہین۔ پوچھا کیا۔ فرمایا۔ انیس ۱۹۔ بیس ۲۰۔ اکیس ۲۱۔ بائیس ۲۲ تیئس ۲۳۔ چوبیس ۲۴۔ اڑتالیس ۴۸ تک۔ حاضرین یہ لطیفہ سن کر بے اختیار ہنس پڑے اور فضول جھگڑے کا خاتمہ ہو گیا۔" معترض صاحب میر انیس کے صاحبزادے "رئیس" کو بھول گئے! اس کو بھی جانے دیجیے "دُر یتیم صدف مین اکیلا ہی ہوتا ہے" "حسین" سے زیادہ کس کے نام مین عظمت و برکت ہو سکتی ہے۔ ارشاد فرمائیے کہ "حسین" کے ہم وزن اور ہم قافیہ کتنے نام ہین؟

ابتدائی مرثیے

میر انیس کے ابتدائی مرثیے مختصر ہوتے تھے اور اُن کا مقصود محبانِ حسینؑ کو رُلانا تھا۔ اُس زمانے کے مرثیے بیشتر "اے مومنو" سے شروع ہوتے تھے اور اُن میں رزم کا بیان بہت کم ہوتا تھا۔

سنہ ۱۲۴۹ھ سے سرآمد مرثیہ گویان لکھنؤ میر مظفر حسین ضمیرؔ نے مرثیہ گوئی کا جدید دور شروع کیا اور مرزا سلامت علی دبیرؔ[1] نے رزم و سراپا میں وہ بلند پروازی کی کہ قدیم روش نظروں سے گر گئی اور سخن فہم طرزِ جدید کے مرثیے تلاش کرنے لگے۔

میر خلیقؔ۔ ضمیرؔ اور دبیرؔ کی تقلید اپنے لیے باعثِ تحقیر سمجھ کر میدانِ رزم میں مقابل نہیں آئے مگر بلند اقبال فرزند جس کو قسامِ ازل نے اسی صنفِ سخن کی تکمیل کے لیے خلق فرمایا تھا یہ عجز کیونکر گوارا کر سکتا تھا۔ اس نے ابھی تک لکھنؤ میں مجلسیں نہیں پڑھی تھیں لیکن خزانۂ کلام فراہم کر رہا تھا اور وہ وقت قریب تھا کہ سارے شہر کو اپنی خوش نوائی کا اسیر بنا لے۔

اُس نے جو عزیمت کی وہ اُسی کی زبان سے سننا چاہیے۔

مبتدی ہوں مجھے توقیر عطا کر یا رب
شوقِ مداحئ شبیر عطا کر یا رب

سلکِ گوہر ہو وہ تقریر عطا کر یا رب
نظم میں رونے کی تاثیر عطا کر یا رب

جب تک آبا کے سوا اور کی تقلید نہ ہو
لفظ مغلق نہ ہو گنجلک نہ ہو تعقید نہ ہو

قلمِ فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ
شمع تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ

صاف حیرت زدہ مانی ہو تو بہزاد ہو دنگ
خون برستا نظر آئے جو دکھاؤں صفِ جنگ

رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

---

[1] مرزا دبیر ۱۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۱۸ھ کو بمقام دہلی محلہ بلّیماران پیدا ہوئے۔ چودہ پندرہ برس کی عمر سے شاعری شروع کی اور ۲۶ صفر سنہ ۱۲۹۲ھ کو لکھنؤ میں وفات پائی۔ محلہ نخاس جدید اپنے مکان میں دفن ہوئے۔ اب یہ گلی کوچۂ دبیر کہلاتی ہے۔ ۱۲

تاریخ وفات حضرت دانش نے اس مصرعہ میں نکالی۔ "دبیر از جہان رفت ہائے ۱۲۹۲ھ" ۔ ۱۲

روزمرہ شرفا کا ہو سلاست ہووے　　لب ولہجہ وہی سارا ہو متانت ہووے
سامعین جلد سمجھ لیں جسے صنعت ہووے　　یعنی موقع ہو جہاں جس کا عبارت ہووے
لفظ بھی چست ہوں مضمون بھی عالی ہووے
مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہووے

بزم کا رنگ جدا رزم کا میدان ہے جدا　　یہ چمن اور ہے زخموں کا گلستان ہے جدا
فہم کامل ہو تو ہر نامہ کا عنوان ہے جدا　　مختصر پڑھ کے رُلا دینے کا سامان ہے جدا
دبدبہ بھی ہو مصائب بھی ہوں توصیف بھی ہو
دل بھی محظوظ ہوں رقت بھی ہو تعریف بھی ہو

پہلی مجلس

جب لعل و گہر کا خزینہ کافی جمع ہو گیا۔ کئی رباعیاں متعدد سلام۔ اور طرز جدید کے چند مرثیے مرتب ہو گئے۔ شفیق باپ نے ہونہار صاحبزادہ سے تحت لفظ پڑھنے کی مشق بھی کرالی تو مناسب خیال کیا کہ ان سے مجلس میں مرثیہ خوانی کرائی جائے تاکہ میر خلیق کا پلہ جو ضمیر اور دبیر کی بلند پروازی سے کم وزن ہوتا جاتا تھا نقطۂ اعتدال پر آجائے۔

ایک روز اکرام اللہ خان کے امام باڑے واقع محلہ نخاس میں مجلس تھی۔ میر ضمیر بھی تشریف رکھتے تھے۔ مجلس شروع ہونے سے پہلے میر خلیق نے میر ضمیر سے کہا میں چاہتا ہوں آج آپ کے بھتیجے سے بھی کچھ پڑھواؤں۔ میر ضمیر نے فرمایا بسم اللہ۔ میر انیس اپنے والد کے حکم سے منبر پر گئے۔ میر خلیق منبر کے دوسرے زینے پر بیٹھتے تھے یہ اس سے ایک درجہ بلند تیسرے زینے پر بیٹھے اور اس وقار سے بیٹھے کہ تمام حاضرین مجلس کی نگاہوں میں خوب صورت ٹھاٹھ جم گیا۔ پہلے کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے پھر ایک رباعی پڑھی چاروں طرف سے واہ واہ سبحان اللہ کا شور بلند ہو گیا۔

بالیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا　　ظلِ علم صاحب معراج ملا

منبر پہ نشست سر پہ حضرت کا علم — اب چاہیے کیا۔ تخت ملا تاج ملا

میر انیس نے پہلے ایک سلام پڑھ کے ساری مجلس کو گرویدہ کر لیا پھر مرثیہ شروع کیا تو رزم و بزم کی بولتی چالتی تصویرین اس خوبی اور خوش ادائی سے دکھائین کہ ہر دل بسمل ہوگیا اعجاز کلام اور انداز بیان نے مجلس کو بیتاب کر دیا۔ سخن شناس جوش شجاعت کے بند سن کر جھومنے لگے۔ زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جاست۔ جب مرثیہ ختم ہوا سیکڑون قدر شناس اپنی اپنی جگہ سے اُٹھکر میر انیس سے مصافحہ کرنے ہاتھ چومنے سامنے آئے تعریف کا سلسلہ دیر تک قائم رہا اور اسی مجلس نے ہمیشہ کے لیے انیس کی فصاحت و شیرین کلامی کا سکہ شہر مین بٹھا دیا۔

لکھنؤ مین مستقل قیام

جب میر انیس کی شہرت روز بروز بڑھنے لگی بڑے بڑے نواب و امرا اُن کے زیب مجلس ہونے پر فخر کرنے لگے تو امجد علی شاہ کے عہد مین اُنھون نے فیض آباد سے قطع تعلق کر کے لکھنؤ مین مستقل سکونت اختیار کی۔ اُس وقت میر صاحب کی عمر ۴۲ برس سے زیادہ تھی۔ بڑے صاحبزادے میر خورشید علی نفیس اور دو صاحبزادیان پیدا ہو چکی تھین۔ لکھنؤ مین میر صاحب کا قدیم مکان محلہ سُبھٹی یا شیدیون کے احاطہ مین تھا۔ یہ محلہ آصف الدولہ کے امام باڑہ کے قریب واقع تھا۔ اور اُس مین شرفا و امرائے شہر کے مکانات تھے سلطنت اودھ کا تختہ اُلٹ جانے کے بعد مکانات کھدنا شروع ہوئے تو اس محلہ کا نشان بھی باقی نہ رہا۔ یہ مکان مختصر تھا اور میر صاحب کی عظمت و شان سے بہت پست مگر تاجدار سخن ملک قناعت کا بادشاہ حرص و ہوس سے متنفر تھا۔ فرماتے ہین :-

کریم جو تجھے دینا ہو بے طلب دیدے — فقیر ہون پہ نہین عادتِ سوال مجھے

میر صاحب کے معتقد خاص نواب دیانت الدولہ بہادر نے اسی محلہ مین ایک امام باڑہ اور ایک محلسرا تیار کرائی۔ عاشور خانہ مین پہلی مجلس میر صاحب سے پڑھوائی اور محل نذر کیا۔ غدر کے پر آشوب ہنگامہ تک یہ خاندان اسی محل مین سکونت گزین رہا۔

انداز مرثیہ خوانی

میر صاحب جس طرح مرثیہ گوئی مین کامل تھے ویسے ہی اُن کا انداز مرثیہ خوانی بھی بے نظیر تھا۔ کلام پر تبصرہ آیندہ اوراق مین کیا جائیگا مگر اُنکے طرز مرثیہ خوانی کی بابت اسی مقام پر چند سطرین لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے

مولانا محمد حسین آزاد آب حیات مین تحریر فرماتے ہین "میر انیس مرحوم کو مین نے پڑھتے ہوے دیکھا کہین اتفاقاً ہی ہاتھ اُٹھ جاتا یا گردن کی ایک جنبش یا آنکھ کی گردش تھی کہ کام کر جاتی ورنہ کلام ہی سارے مطالب کے حق پورے پورے ادا کر دیتا تھا"

جناب اثہری حیات انیس مین لکھتے ہین کہ "مین نے میر انیس کو پڑھتے ہوئے سنا ہے وہ فقط ابرو کے اشارہ اور گردن کی حرکت سے کام لیتے تھے" لیکن مولف واقعات انیس ان روایات سے ناراض ہوتے اور فرماتے ہین کہ "میر انیس کا پڑھنا ہنگامہ آرا تھا وہ جس مقام کو پڑھتے تمام قوتون سے کام لیتے چنانچہ اُن کا ایک مصرعہ سات سال کی عمر مین سنا ہوا میرے حافظہ مین اس وقت تک محفوظ ہے اور اُس کے پڑھنے کی تصویر اب تک پیش نظر ہے۔ مصرع

دانتون مین شجاعان عرب داڑھیان دابے

مرثیہ کو زانو پر رکھکر دونون ہاتھون کو داڑھی کے قریب لاکر اس طرح گردش دی اور ہونٹون مین فرضی داڑھی کو دبایا یہ معلوم ہوا کہ عرب کے شجاع سپاہیون کی حالت جنگ مین جوش شجاعت کی تصویر کھینچ دی" ہفت سالہ بچہ کی شہادت معتبر نہین! خصوصاً جبکہ سن رسیدہ اور ثقہ راوی اُس کی تکذیب کرتے ہون!! میر خورشید علی نفیس کے پڑھنے کا وہی انداز تھا جو احسن نے لکھا ہے۔ لیکن محققین کہتے ہین میر انیس صرف گردش چشم وابرو سے وہ ہنگامہ برپا کر دیتے تھے جس کے لیے اُن کے صاحبزادہ کو تمام اعضاے جسمانی سے کام لینا پڑا۔ شیخ حسن رضا مولف "تردید سوانح" لکھتے ہین کہ افراط تفریط کا نام نہین نشست سے بالاے منبر قدرت خدا کے جلوہ کی تصویر کھینچ دیتے۔ بناوٹ وتصنع کی ہوا تک نہ آنے پاتی تھی۔ تیور اور اشارات

مہذبانہ جیسے اُن بزرگ سے ادا ہوئے آج تک کسی غیر سے تو کیا اُن کے خاندان مین کسی سے حتی کہ اُن کی اولاد سے بھی وہ شان اور وہ بات دیکھنے مین نہین آئی"۔ یہ بھی مشہور ہے کہ میر انیس جب کوئی مقام رقت انگیز پڑھتے اور جوش گریہ سے بے چین ہوجاتے تو ضبط کی غرض سے نیچے کے ہونٹ کو دانتون مین دبا لیتے جس سے دہنی جانب کا رخسارہ متحرک ہوتا تھا اُن کا تو اس انداز سے یہی مقصود تھا کہ جوش گریہ سے آواز گلوگیر نہو مگر قدرتاً یہ لفریب ادا ہر دل کو بیتاب کر دیتی تھی۔

مؤلف حیات رشید لکھتے ہین کہ میر انیس کے نواسے جناب پیارے صاحب رشید اکثر فرماتے تھے کہ "انیس کا پڑھنا بہت مہذب تھا۔ وہ صرف آواز کے اُتار چڑھاؤ اور اشارات سے کام لیتے۔ آجکل کے پڑھنے والے تو منبر کی چولین ہلا دیتے ہین"۔

کہتے ہین جب کوئی شخص میر انیس سے انداز مرثیہ خوانی سیکھنے کی درخواست کرتا وہ اس سوال سے منغض ہوجاتے اور فرماتے تھے کہ "یہ کیا سیکھے گا اور مین کیا سکھاؤنگا۔ بھائی یہ کچھ سیکھنے کا فن ہے وقت پر جو کچھ ہوجاتا ہے ہم خود نہین سمجھتے کہ ہم نے کیا کیا"۔

شہر کے ایک رئیس زادے میر صاحب کے شاگرد مرثیہ پڑھنے کی مشق کرتے تھے۔ ایک روز میر انیس نے ایک مصرعہ کو تین بار بتلایا مگر نواب زادہ سے وہ انداز ادا نہ ہوسکا۔ میر صاحب نے مرثیہ ہاتھ سے چھین لیا اور فرمایا ایسے بے مغزون کو مرثیہ پڑھنا نہین آسکتا۔ بیکار اپنا وقت خراب کرتے ہین اور میرا دماغ پریشان ہوتا ہے۔ مصرعہ یہ تھا ع

کھینچے جو کمان دے نہ امان بیل دمان کو

وہ اصول خواندگی کے ساتھ صفت شاعری کے اظہار کے لیے اُن تینون لفظون پر زور دیتے جن پر نشان کیا گیا ہے لیکن نواب کو بسبب عدم مذاق شاعری مصرعہ کی صنعت کا لحاظ نہین رہتا تھا۔ میر صاحب جب اس مصرعہ کو پڑھتے تو کمان امان دمان پر زور دینے کے بعد ایک قلیل وقفہ دیتے تھے اور یہی توقف اس مصرعہ کی جان تھا۔!!

مرزا دبیر کا انداز مرثیہ خوانی

ان کے حریف مقابل مرزا سلامت علی دبیر کی مرثیہ خوانی کا بھی یہی انداز تھا۔ تقاضائے فطرت سے کہیں خود بخود دیا ہاتھ اٹھ جاتا تو اٹھ جاتا ورنہ منبر پر بیٹھکر "موشگافی" دکھانا گناہ سمجھتے تھے۔ چشم و ابرو کا اشارہ بھی اُسی قدر ہوتا جتنا باتوں میں ہو جاتا ہے۔ خود فرماتے ہیں :۔

ناحق کا نہ چیخنا نہ چلّانا ہے ‏ ‏ ‏ ‏ بیکار نہ ہر بند پہ بتلانا ہے
ابن شہِ مردان کا ثناخوان ہوں میں ‏ ‏ ‏ ‏ صد شکر کہ پڑھنا مرا مردانہ ہے

جب میر انیس نے مجالس میں مرثیہ خوانی شروع کی اُس وقت دبیر کے انداز پر لکھنؤ فدا تھا۔ میر صاحب خود فرماتے تھے کہ "جب[1] ہم نے لکھنؤ میں مرثیہ پڑھنا شروع کیا اُس وقت دو صاحب اِس فن کے لکھنؤ میں نامی و گرامی تھے۔ ایک تو میر مداری صاحب جو یار میں رہتے تھے دوسرے مرزا سلامت علی دبیر"

میر مداری کا تو اب کوئی نام بھی نہیں جانتا غالباً ان کا تخلص شہرت تھا۔ وہ میر ضمیر کے شاگرد تھے اور اس فن میں خوب مشق بہم پہونچائی تھی۔ آج زمانہ نے گمنام کر دیا اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مرثیہ خوانی میں "نیرت" سے کام لیتے تھے یا نہیں مگر مرزا دبیر یقیناً اس حرکت کو ناجائز سمجھتے تھے۔

جب میر صاحب کا انداز مرثیہ خوانی مقبول ہوا شفیق باپ نے مجلسوں میں پڑھنا چھوڑ دیا اُدھر میر ضمیر نے بھی ضعف پیری سے مرثیہ خوانی چھوڑ دی اور لکھنؤ میں انیس و دبیر کا نام گونجنے لگا۔

میر خلیق نے مرثیہ خوانی چھوڑ دی

میر خلیق نے مرثیہ خوانی چھوڑ دی لیکن قدرتی شاعر کی زبان کیونکر بند ہو سکتی تھی۔ ایک مرتبہ میر انیس بیدوقت

---

[1] واقعات انیس صفحہ ۲۷۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ میر صاحب نے اس موقع پر صرف "مرثیہ خوانی" کی طرف اشارہ کیا ہے نہ کہ "مرثیہ گوئی" کی طرف کیونکہ اُس وقت میر ضمیر اور میر خلیق دونوں اساتذۂ فن موجود اور سرتاج مرثیہ گویان تھے ان کے سامنے مرزا دبیر یا میر مداری کی ہرگز شہرت نہیں ہو سکتی تھی۔

نظم کر رہے تھے کہ جناب امام حسینؑ عالمِ طفولیت میں سواری کے لیے ضد کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ تشریف لائے اور فرطِ شفقت سے خود جھک گئے کہ آؤ سوار ہو جاؤ تاکہ پیارے نواسے کا دل آزردہ نہ ہو۔ اس موقع پر ٹیپ کا دوسرا مصرعہ کہہ لیا تھا ع اچھا سوار ہو جیسے ہم اونٹ بنتے ہیں۔ پہلا مصرعہ برجستہ نہ ہوتا تھا۔ ان کو غور میں دیکھ کر میر خلیق نے پوچھا کیا سوچ رہے ہو۔ میر صاحب نے مضمون بیان کیا تو بولے کہ یہ مصرعہ لگا دو۔ "جب آپ روٹھتے ہیں تو مشکل سے منتے ہیں" سارا بند سنیے تو مصرعہ کا لطف معلوم ہو:—

پیدل تو عید گاہ میں جانا ہے ننگ و عار — ہمکو بھی آج اونٹ منگا دو تو ہوں سوار
کہنے لگے حسینؑ سے محبوبِ کردگار — معلوم اب ہوا ہی غصہ تھا میں نثار
جب آپ روٹھتے ہیں تو مشکل سے منتے ہیں
اچھا سوار ہو جیسے ہم اونٹ بنتے ہیں

افسوس ہے اُن کا کلام آج تک شائع نہیں ہوا اور متعدد مرثیے جو میر نواب صاحب نامی نے ۱۲۹۷ھ میں دکن سے شائع کیے اُن میں بیشتر وہ ہیں جو میر انیس کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے مرثیوں کا مجموعہ لکھنؤ میں بعض علم دوست حضرات کے پاس موجود ہے مگر معلوم نہیں کس مصلحت سے اُس کی اشاعت نہیں کراتے۔

مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ ذیل کا مطلع و مقطع میر خلیق کے سالِ اخیر کی تصنیف ہے۔

مجرائی طبع کند ہے لطفِ بیان گیا
دندان گئے کہ جوہرِ تیغِ زبان گیا
گذری بہارِ عمر خلیق اب کہیں گے سب
باغِ جہان سے بلبلِ ہندوستان گیا

سعادتمند فرزند نے باپ کا نام روشن کیا اور اُن کی زبان پر ہمیشہ ناز کرتا رہا۔

حق ہے سنا نہیں کبھی اس حسن کا بیاں — گویا کہ یہ خلیق کی ہے سربسر زباں

اور اُن کے انتقال کے بعد نہایت درد سے کہا۔

ہم مرگئے خلیق کے مرنے سے اے انیس جینے کا لطف اُٹھ گیا اُس باخدا کے ساتھ

افسوس ہے خلیق سا مشفق پدر نہیں اس رنج سے کسیکو کسی کی خبر نہیں

اُسی زمانہ میں ایک نہایت پُر درد کا مرثیہ لکھا تھا جسکا مطلع ہے۔

آمد ہے کربلا کے نیستان میں شیر کی

اُسکے مقطع میں فرماتے ہیں۔

بس اے انیس بس کہ دعا کا ہے یہ مقام ہو مغفرت خلیق کی یا خالق الانام

مداح آلِ پاکِ نبی تھا وہ خوش کلام یارب اُسی بزرگ کا یہ فیض ہے تمام

بندہ وہ کون سا ہے کہ جو بے قصور ہے

گر بخش دے تو کیا تری رحمت سے دور ہے

انیس و دبیر میر خلیق اور میر ضمیر نے مرثیہ خوانی چھوڑی انیس و دبیر کے لیے میدان خالی ہوگیا۔ شہر کے خوش مذاق لوگوں نے دونوں کو حریف مقابل بنایا۔ نقادانِ سخن کے جتھے علٰحدہ علٰحدہ بٹے ہوئے تھے۔ انیسیامت اپنے سخن آفرین کی صفائی کلام حسن بیان اور لطف محاورہ پر جان دیتی۔ اور دبیری امت شوکتِ الفاظ بلند پروازی اور تازگی مضامین پر مٹی ہوئی تھی۔ عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ معتقدین باہم لڑتے تھے مگر میر انیس اور مرزا دبیر ایک دوسرے کو نہایت عزت و وقعت کی نظر سے دیکھا کیے۔

نہ میر انیس اپنی صحبت میں دبیر کی بدگوئی سننے کے روادار اور نہ مرزا دبیر اپنے حلقۂ احباب میں کسی کو انیس پر بیجا اعتراض کرنے دیتے۔ کلام پر نکتہ چینی جوہر کمال پر صیقل تھی اور یہ دونوں استادوں کے یہاں ایک دوسرے پر ہوتی رہتی تھی اور کبھی کبھی سخن گسترانہ چوٹیں ہو جاتی تھیں

لہ لطیفہ۔ ایک صاحب میر محب علی سلیس خیال کرتے تھے کہ وہ میر انیس کے مدمقابل ہیں۔ میر انیس نے

مگر دل صاف تھے اور ایک کو دوسرے سے کچھ بغض نہین تھا۔ میر خورشید علی نفیس[1] فرماتے تھے اُن کے والد کے سامنے کوئی شخص صراحتہً یا کنایۃً مرزا دبیر کی تنقیص نہین کرسکتا تھا اور اسی طرح مرزا دبیر کے یہان کسی کی مجال نہ تھی کہ میر صاحب پر بیجا حملہ کرے۔ دونون ایک دوسرے کی نسبت فرماتے تھے کہ "ایسا صاحب کمال شاید پھر پیدا نہ ہو"۔

سید آغا حسن ازل لکھنوی نے مرثیون پر اصلاح دونون بزرگون سے لی اور کمال یہ کیا کہ ہر ایک سے اجازت لیکر دوسرے کو مرثیے دکھائے اور ان نیک نفس پاک طینت حضرات نے بخوشی اجازت دی۔

ایک سلام پر انیسیون اور دبیریون مین جھگڑا

میر صاحب نے ایک سلام کہا جس کا مطلع تھا:۔

سدا ہے فکر ترقی ما آل بینون کو
ہم آسمان سے لائے ہین ان زمینون کو

اور اس مین ایک لاجواب شعر تھا۔

یہ جھُریان نہین ہاتھون پہ ضعف پیری نے
چُنا ہے جامۂ ہستی کی آستینون کو

قافیہ دشوار تھا اور نہایت بیساختگی سے نظم ہوا۔ تمام شہر مین دھوم مچ گئی۔ مشاہیر شعرا نے اس زمین مین سلام کہے۔ واجد علی شاہ آخری تاجدار اودھ شاعر تھے۔ انھون نے بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۰) ایک سلام کہا جس کا مقطع ہے:۔

نواسنجیون نے تری اے انیس
ہر اک زاغ کو خوش بیان کردیا

جب یہ سلام سلیس کو پہونچا وہ سمجھے کہ یہ چوٹ مجھ پر ہے۔ فوراً سلام کی تضمین کرکے میر صاحب کے پاس بھیج دی۔ مقطع پر یون مصرعے لگائے تھے

نہ مونس کی باتین تھین ایسی نفیس ٭ نہ تھی انس کی نظم ایسی سلیس ٭ یہ سچ ہے بقول انیس اے سلیس

نواسنجیون نے تری اے انیس
ہر اک زاغ کو خوش بیان کردیا

جب میر صاحب کو یہ خمسہ پہونچا ایک نظر دیکھکر چپ ہو گئے۔ وہ کوہ حلم و وقار ایسی باتون کی کب پروا کرتا تھا (حیات دبیر)

[1] حیات دبیر صفحہ ۲۴۔ فٹ نوٹ

یہ قافیہ باندھا۔ فرماتے ہیں :۔

جہاں نفس عبادت میں جھکو ہے منظور
وضو کے وقت اُلٹتا ہوں آستینوں کو

مرزا دبیر کے صاحبزادہ مرزا اوج نے بھی اسی زمین میں سلام کہا اور آستینوں کے قافیہ پہ بہت زور دیا۔ کہتے ہیں۔

اُلٹ گیا درِ خیبر سے پہلے قلعہ چرخ
خدا کے ہاتھ نے اُلٹا جو آستینوں کو

یہ دست بر دِ خزاں کا بہار میں ڈر ہے
کہ غنچے تھامے ہیں مٹھی میں آستینوں کو

حق یہ ہے کہ میر صاحب کے شعر کی ہوا بھی کسی کو نہ سوجھی اور یہ قافیہ اُنھیں کے حصہ کا ہو گیا ستم یہ ہوا کہ میر انیس کے چھوٹے بھائی میر مونس نے ایک مجلس میں جس میں شاگردانِ دبیر کا مجمع تھا اپنا سلام اسی زمین میں پڑھا اور اُس میں یہ طنزیہ شعر بھی تھا۔

بھلا تردد بیجا سے اُس میں کیا حاصل
اُٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو

اور شاید یہ شعر بھی تھا۔

نیا مزہ ہے کہ مضمون تو دستیاب نہیں
مقابلہ پہ چڑھاتے ہیں آستینوں کو

شہزادگانِ اودھ میں سے نواب ممتاز الدولہ مرزا دبیر کے شاگرد اس مجلس میں موجود تھے اُن کو سخت ملال ہوا مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے۔ پھر تو انیسیوں اور دبیریوں میں شور مچ گیا مرزا صاحب کے مشہور شاگرد میاں مشیر نے خوب بے نقط سنائیں :۔

جلی کٹی مرے استاد سے کرے جو کوئی
تو پھونک دوں مع خرمن میں خوشہ چینوں کو

ہزار بار سفر ایاک کے منھ پہ چڑھتے ہیں
تتر کیا کہوں ان احمق اللذینوں کو

لگا کے سرمہ تہ بیت بہشت دیکھ لیا
تجمل کیا مری آنکھوں نے نور بینوں کو

اساتذہ کی ہیں غزلیں سلام بھی اکثر
نیا سمجھتے ہیں پھر لوگ ان زمینوں کو

نظیر برادر دبیر نے ایک سلام کے مقطع میں کہا۔

طعنہ زن ہوتے ہین جو بیٹھ کے منبر پہ نظیر
کیا نہین جانتے وہ اہل زبان اور بھی ہین

قربان جائیے ان دونون بزرگون کی صفائی قلب کے کہ میر صاحب مونس پر اور مرزا صاحب مشیر پر بہت خفا ہوے۔ میر مونس مرزا صاحب کی خدمت مین اور شیخ مشیر میر صاحب کے حضور مین آکر عذر خواہ ہوے اور وہ گرد کدورت دور ہو گئی۔

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینون کو

میر انیس کے پڑھنے کی خاص خاص مجلسین

جن مجلسون مین میر صاحب یا مرزا صاحب پڑھتے دور دور سے شائقین آتے تھے اتنا مجمع ہوتا تھا کہ زانو بدلنا دشوار ہوتا اور دیر سے آنے والون کو بمشکل جگہ ملتی۔ ملکہ کشور والدہ واجد علی شاہ کے یہان مجلسون مین ہمیشہ میر صاحب پڑھا کرتے تھے۔ حسین علی خان اثر خلف مرزا حیدر بیگ نایب نواب آصف الدولہ کے یہان اربعین مین روزانہ مجلس ہوتی تھی ایک دن میر صاحب اور دوسرے دن مرزا صاحب پڑھتے۔ لیکن ایک ہی مجلس مین یکے بعد دیگرے کبھی نہین پڑھے آٹھوین یا ساتوین محرم کو ایک مجلس میر صاحب۔ نواب علی نقی خان کے یہان پڑھتے تھے ایک روز مجلس شروع ہونے کے وقت نواب صاحب نے پیغام بھیجا کہ مین آج درد سر کی وجہ سے حاضری مجلس سے معذور ہون میر صاحب نے جواب دیا آج میرا بھی مزاج درست نہین ہے۔ مناسب ہے مجلس موقوف رکھی جائے۔ انشاءاللہ سال آیندہ دیکھا جائیگا۔ نواب صاحب گھبرا کر باہر نکل آئے۔ میر صاحب سے معافی مانگی اور حالت مرض مین اختتام مجلس تک بیٹھے رہے۔

ہر مہینے کی تیسوین کو محمد خان داروغہ فیل خانۂ شاہی کے یہان محلہ مفتی گنج مین میر صاحب پڑھا کرتے اور اسی محلہ مین اسی تاریخ وزیر خان داروغہ کے یہان مرزا صاحب پڑھتے تھے

صفر کی اٹھارویں کو حیدر خان نامی ایک رئیس کے یہاں میر صاحب پڑھتے اور اُسی دن کچھ فاصلہ پر احمد علی خان[1] سوز خوان کے یہاں مرزا صاحب پڑھا کرتے۔ پچیسویں رجب کو ایک مجلس (بعد زمانۂ غدر) چوپٹیوں پر ہوا کرتی اور اُس میں میر صاحب پڑھا کرتے تھے اُسی تاریخ میر باقر تاجر کے امام باڑے میں مرزا صاحب پڑھا کرتے۔ داروغہ شیخ محمد عباس کے یہاں کنکر کے کنویں پر ۱۸ صفر کو میر انیس۔ اور اُسی کے قریب خان بہادر شیخ الطاف حسین کے یہاں مرزا صاحب پڑھتے۔ ہر جگہ اہل کمال کا جمگھٹ اور شائقین کی کثرت ہوتی تھی۔ میر انیس اُسکی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں۔

امید کسے تھی بزم کے بھرنے کی | اللہ جزا دے اس کرم کرنے کی
ماشاء اللہ چشم بد دور انیس | مجلس میں جگہ نہیں ہے تل دھرنے کی

شاہی مجلس دونوں بزرگ ایک مجلس میں کبھی جمع نہ ہوتے لیکن لکھنؤ کے حضرات دونوں کو جمع کیے بغیر کب ماننے والے تھے۔ نواب مفتاح الدولہ بہادر نے

---

[1] اس مجلس میں مرزا دبیر ہمیشہ ایک رباعی اس ردیف و قافیہ میں ضرور پڑھا کرتے تھے۔ حقیر آیا ہے۔ دبیر آیا ہے۔ نظیر آیا ہے۔

ایک مرتبہ اس مجلس کے آنے والوں سے راستہ میں بعض آدمیوں نے کہا کہ "مرزا صاحب احمد علیخاں کی مجلس میں نہیں آئے" اس فقرہ میں آکر کچھ لوگ جو اس مجلس میں آرہے تھے حیدر خان کی مجلس میں چلے گئے جو قریب ہی ہوتی تھی اور اُسمیں میر انیس پڑھتے تھے۔ مرزا صاحب کو خبر ہوگئی۔ منبر پر تشریف لائے تو اول یہ رباعی پڑھی :۔

کس بزم ثواب میں حقیر آیا ہے ÷ سننے کو بھی انبوہ کثیر آیا ہے ÷ کیوں راہ میں بہکاتے ہیں مشتاقوں کو ÷ یہ کون ہے۔ جو نہیں دبیر آیا ہے ÷۔ عبرت کا مقام ہے۔ لکھنؤ کی شاہی لٹ گئی۔ اشراف گردی کا دور ہوا۔ احمد علیخان کی بھی وہ حالت نہ رہی اور اٹھارویں صفر کی مجلس حسب معمول ہوئی۔ نہ وہ اگلا سا مجمع نہ وہ جوہر شناسوں کی بھیڑ۔ حاضرین عہد نوابی کا ہجوم یاد کرکے افسوس کر رہے تھے۔

مرزا صاحب نے منبر پر جاکر حسب ذیل رباعی فی البدیہہ پڑھی :۔

پھر چرخ پر آسمان پھیر آیا ہے | ہر کوچہ میں وقت دار و گیر آیا ہے
اگلا سا نہ مجمع ہے نہ اگلے سے وہ لوگ | یاں آن کے حیرت میں دبیر آیا ہے

حضرت جان عالم واجد علی شاہ کے سامنے دونون صاحبون کی تعریف کرکے ایسی تقریر کی کہ بادشاہ سلامت نے دونون کو ایک مجلس مین جمع کرنے کا ارادہ کرلیا۔ مفتاح الدولہ حسب الحکم خود دونون صاحبون کی خدمت مین حاضر ہوے اور بادشاہی پیغام پہونچایا۔ حکم سلطانی سے انحراف کیونکر ہوسکتا تھا دونون نے منظور کیا۔ معینہ وقت پر پہلے مرزا دبیر پہونچے اور باریاب ہوکر ایک جانب بیٹھ گئے۔ میر صاحب کچھ دیر کے بعد پہونچے۔ فرش پر پاؤن رکھتے ہی تمام ارباب مجلس تعظیماً اُٹھ کھڑے ہوے۔ جب مجلس شروع ہوئی پہلے مرزا دبیر کو پڑھنے کا حکم دیا گیا انھون نے ایک رباعی بادشاہ کی تعریف مین پڑھکر مرثیہ شروع کیا۔ واہ واہ سبحان اللہ کی آوازون سے محل شاہی گونجنے لگا اور مآل مجلس بھی حاصل ہوا۔ اُن کے بعد میر انیس کو پڑھنے کی ہدایت ہوئی۔ میر صاحب کچھ لیکر نہین گئے تھے۔ اپنے بھائی مونس سے پوچھا کچھ لائے ہو اُنھون نے ایک سلام اور مرثیہ پیش کیا اُس کو دیکھا اور فی البدیہہ ایک مطلع تصنیف کرکے منبر پر تشریف لے گئے۔ کچھ دیر تک اپنی عادت کے موافق چپ بیٹھے رہے۔ پھر ایک رباعی جناب امیر کی مدح مین پڑھی۔ چارون طرف سے آفرین و مرحبا کا شور بلند ہوا۔ زان بعد سلام شروع کیا جس کا فی البدیہہ مطلع یہ تھا۔

غیر کی مدح کرون شہ کا ثنا خوان ہوکر مجرئی اپنی ہوا کھوؤن سلیمان ہوکر

اس مطلع کا سننا تھا کہ معنی فہم طبیعتین ادائے کلام کے مزے لینے لگین۔ سلام ختم کرکے میر صاحب نے مرثیہ کے چند بند پڑھے جس سے اہل مجلس پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی اور رزم و بزم کا حق ادا کرکے منبر سے اُترے تمام شہر مین اس مجلس[1] کا شہرہ ہوگیا اور میر صاحب کی خودداری کی دھوم مچ گئی۔ بادشاہ سلامت بھی بہت محظوظ ہوئے اور فتح الدولہ برق سے مخاطب ہوکر

---

[1] مولف حیات دبیر نے شاہی مجلس مین بھی میر اور مرزا کی یکجا خواندگی سے انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ دونون بزرگ ایک مجلس مین کبھی نہین پڑھے۔ لیکن سلطان عالم کی محفل مین ان دونون بزرگون کے جمع ہونے کا قصہ لکھنؤ مین آج تک مشہور ہے۔ ممکن ہے کہ اس واقعہ کی اصلیت ہو۔ اور محفل شاہی قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہو۔ واللہ اعلم ۔

فرمایا کہ "کیون فتح الدولہ مین نہ کہتا تھا کہ میر انیس لکھنؤ مین ایک ہی شاعر ہین۔ دیکھا تم نے یہ زبان انھین کے لیے خاص ہے"

شاہنامۂ اودھ

اُسی زمانہ مین بادشاہ کو خیال آیا کہ شاہنامہ کے طرز پر اُن کے خاندانی حالات نظم کیے جائین۔ اِس خدمت کے لیے چار شعرا تجویز ہوے یعنی فتح الدولہ برق۔ تدبیر الدولہ اسیر۔ مرزا مہدی قبول۔ اور میر ببر علی انیس۔ اور یہ بات قرار پائی کہ تھوڑا تھوڑا حصہ تاریخ کا ان چارون شعرا کو تقسیم کر دیا جائے تا کہ کتاب جلد تمام ہو اور ہر شاعر کی طبیعت کا رنگ بھی علیحدہ علیحدہ نظر آئے۔ میر انیس دربار مین طلب ہوے اور یہ تجویز پیش کی گئی۔ میر انیس نے اخلاقاً اقرار کر لیا۔ بادشاہ نے علی نقی خان وزیر کی جانب اشارہ کیا کہ میر صاحب کے ہمراہ جائین اور مصاحب منزل کے کمرے دکھائین جو کمرہ میر صاحب پسند فرمائین اُن کے قیام کے لیے اسباب راحت وہین جمع کرا یا جائے اور یہ کام شروع ہو جائے میر صاحب کو جب معلوم ہوا کہ یہ خدمت پابندی سے لیجائیگی اور شب و روز یہین رہنا ہوگا بیدل ہو گئے براہ امتثال امر علی نقی خان کے ہمراہ گئے اور مصاحب منزل کے کمرے دیکھنے لگے آخر پریشان ہو کر بولے۔

غریبون کی کیا موت کیا زندگی جگہ جس جگہ مل گئی مر رہے

اور کسی حیلہ سے اس خدمت سے انکار کر دیا شاہنامہ کا سلسلہ شروع ہونے نہین پایا تھا کہ زمانہ نے سلطنت کا ورق ہی اُلٹ دیا۔

شاعری کا تاج

زوجۂ میر ضمیر مرحوم کی تقریب چہلم مین میر انیس مرثیہ پڑھ رہے تھے رؤسا اور اکابر شہر کے علاوہ شعرائے باکمال کا بھی مجمع تھا۔ خواجہ حیدر علی آتش بھی موجود تھے۔ میر صاحب وہ مرثیہ پڑھ رہے تھے جس کا مطلع ہے۔

آمد ہے کربلا کے نیستان مین شیر کی ڈیوڑھی سے چل چکی ہے سواری دلیر کی

تلوار کی تعریف مین جب اس بیت کی نوبت آئی۔

اشراف کا بناؤ رئیسون کی شان ہے   شاہون کی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے

خواجہ آتش کی جانب مخاطب ہوکر فرمایا کہ "اس بیت کی داد آپ سے چاہتا ہون" خواجہ کی آزادی اور شوریدہ مزاجی مشہور ہے پہلے سے جھوم رہے تھے۔ یہ بیت سنکر نصف قد کھڑے ہوگئے اور بآواز بلند کہا کہ "کون بیوقوف کہتا ہے کہ تم محض مرثیہ گو ہو۔ واللہ تم باللہ تم شاعرگر ہو اور شاعری کا مقدس تاج تمھارے سر کے لیے موزون ہے اللہ مبارک کرے

معراج کمال

واجد علی شاہ کے آخری زمانہ مین میر صاحب کی شہرت معراج کمال تک پہونچ چکی تھی ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر ایک لفظ قدرشناس موتیون اور جواہرات کی طرح عزیز رکھتے تھے اور ان کا کلام تحفہ کے طور پر دوسرے شہرون مین بھیجا جاتا تھا۔ ایک دن وہ تھا جب میر صاحب نے فرمایا تھا۔

گر قدردان ہین کم تو نہ کر اتنا اضطراب   جلدی مدد کرین گے شہِ آسمان جناب

اور اب فرماتے ہین۔

آباد لکھنؤ رہے تا حشر یا آلہ   رکھ میرے دوستونکو جہان مین بعزّ وجاہ

یارب ہرا بھرا یہ چمن آزرد رہے
جبتک چمن مین گل رہے اور گل مین بو رہے

آشوبِ غدر

یکایک زمانہ کی ہوا پلٹی۔ وزرا اور عمّال کی نمک حرامی سے واجد علی شاہ معزول ہوئے کمپنی کا راج ہوا۔ زمین و آسمان بدل گیا اور اُس کے بعد ہی غدر کا مہیب فتنہ وفساد برپا ہوا جس نے کمینون کو امیر اور شریفون کو رذیل بنا دیا

روستازادگانِ دانشمند   بوزیریِ پادشہ رفتند
پسران وزیر ناقص عقل   بگدائی بروستا رفتند

تمام علمی ترقیان دفعتہً رک گئین۔ اُس سال لکھنؤ کا محرم حسرت وعبرت کی دردناک تصویر تھا۔

بادل[1] آ آ کے رو گئے ہائے غضب — آنسو نایاب ہو گئے ہائے غضب
جی بھر کے حسین کو نہ روئے اس سال — آنکھون کے نصیب سو گئے ہائے غضب

مشرقی طرزِ حکومت کا فدائی دیکھیے کس درد سے کہتا ہے۔

کیونکر دلِ غمزدہ نہ فریاد کرے — جب ملک کو یون غنیم برباد کرے
مانگو یہ دعا کہ پھر خداوندِ کریم — اُجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے

باغیون کی عملداری مین میر صاحب گھبرا رہے ہین۔

افسوس زمانہ کا عجب طور ہوا — کیون چرخ کہن نیا یہ کیا دور ہوا
گردش کب تک نکل چلو جلد انیس — اب یان کی زمین اور فلک اور ہوا

مرزا دبیر نے یہ رباعی سن کر تسکین دی۔

کس عہد مین تبدیل نہین دور ہوا — گہ عدل گہے ظلم گہے جور ہوا
اللہ وہی ہے تو نہ مضطر ہو دبیر — کیا غم جو زمین اور فلک اور ہوا

لیکن جب بھگدڑ پڑی اور شرفا روپوش ہونے لگے یہ دونون بزرگ لکھنؤ سے فرار ہوئے مرزا دبیر کچھ دنون کے لیے سیتاپور[2] گئے اور میر انیس نے بھی وطن چھوڑا۔ سنا ہے اس عرصہ مین کچھ زمانہ تک وہ کاکوری مقیم رہے جب بغاوت فرو ہوئی ان کا اشتہار جاری ہوا۔ لکھنؤ پھر بسا تو میر صاحب واپس تشریف لائے مگر اختر نگر[3] اُجڑ چکا تھا اور اگلی صحبتین خواب و خیال ہو گئی

---

[1] سنہ ۱۸۵۷ء مین محرم اگست کے مہینے مین پڑا اور بھری برسات تھی۔

[2] اس خانہ بربادی کے عالم مین مرزا دبیر نے ایک نہایت دردناک رباعی کہی تھی جو عبرتِ ناظرین کے لیے درج کی جاتی ہے۔

شطرنج دورنگی سے ہین ششدر بندے — آوارہ ہین شہر شہر در در بندے
اے بندہ نواز ہے تعجب کا محل — تو مالکِ ملک اور بے گھر بندے

[3] اودھ کے آخری تاجدار واجد علی شاہ کا تخلص اختر تھا۔ اس رعایت سے لکھنؤ کو اختر نگر کہتے تھے۔

ای مصحفی مین رو دون کیا اگلی صحبتون کو — بن بن کے کھیل ایسے لاکھون بگڑ گئے ہین =

تھین۔میر صاحب کے شیشۂ دل پر سخت چوٹ لگی۔فرماتے ہین۔

ورق اُلٹ گیا دنیا کا ایک بیک کیون چرخ — یہ کس طرح کا زمانے مین انقلاب آیا

پیام مرگ ہے موئے سفید اے غافل — کبھی سنا ہے کہ پیری گئی شباب آیا

الٹ گیا نہ فقط لکھنؤ کا اک طبقہ — انیسؔ ملک سخن مین بھی انقلاب آیا

غدر کے بعد مکان

کشتھی محلہ اور شیدیون کا احاطہ کھُد گیا تو غدر کے بعد میر صاحب نے حیدر روز محلہ منصور نگر مین قیام کیا وہان سے راجہ کی بازار تشریف لے گئے پھر سبزی منڈی مین ایک مکان خود تعمیر کرایا اور اُسی مین رہنے لگے۔مکان کے قریب ایک مختصر باغ تھا جو اب ویران ہو گیا اور اُس جگہ ایک کمرہ بنا ہے جسمین میر صاحب آرام فرماتے ہین اور اُنکے بعض اعزا بھی بغل ہی مین آسودہ ہین۔

پٹنہ عظیم آباد کے سفر

جب تک لکھنؤ مرحوم گلزار تھا بلبلِ بوستانِ امیر کو نقل وحرکت کی ضرورت نہ تھی۔حیدرآباد سے کئی مرتبہ پیام طلب آئے۔بہار والون نے بھی بلایا۔میر صاحب انکار کرتے رہے۔جب لکھنؤ مٹ گیا اور داد و دہش کا قحط پڑا میر صاحب نے ۱۸۵۹ء مین پہلی بار پٹنہ کا سفر کیا اور ۱۸۶۰ء مین دوسری مرتبہ نواب قاسم علی خان کی طلب سے عظیم آباد گئے۔پردیسیون نے گھر والون سے زیادہ خاطر و مدارات کی اور ہر سال اس طرف کا سفر معمول ہو گیا۔ایک سال کسی سبب سے نہ جا سکے تو سال آیندہ کے لیے خاص اہتمام کیا گیا۔چارون طرف سے بڑے بڑے رئیس امیر اربابِ علم و کمال میر صاحب کو دیکھنے اور کلام سننے کے لیے وہان پہنچ گئے۔ہزارون آدمیون کا مجمع تھا۔سوز خوانی کے بعد دو ڈھائی گھنٹے تک میر مونس منبر پر تحت اللفظ پڑھے اور اپنے کمالات ختم کر دیے۔جب میر مونس منبر سے اُترے میر صاحب کی باری آئی تھوڑی دیر حسب معمول چپ بیٹھے رہے پھر ارشاد فرمایا۔صاحبو مجلس کو بہت طول ہو گیا اور غالباً آپ حضرات میر مونس کو سنکر سیر ہو گئے ہونگے۔اب فریضۂ ظہر کا وقت آ گیا جس کو جناب سید الشہدا نے تلوار کی دھارون مین ادا فرمایا ہے مین نماز پڑھ لینا چاہتا ہون آپ بھی نماز سے فارغ ہو لین۔پھر جن صاحبون کو انیس کا سننا منظور ہو وہ تشریف لائین

اور جو میر مونس کو سنکر سیر ہو چکے وہ اپنے گھرون مین آرام فرمائین،، اس تقریر نے ایک عام مایوسی پیدا کر دی۔ میر صاحب نماز پڑھنے چلے گئے تمام اہل مجلس اُٹھ کھڑے ہوئے وہ عالی شان مجمع برخاست ہو گیا۔ بعضون کو خیال ہوا کہ اب ایسا مجمع دشوار ہے ایک گھنٹہ بھی نہ گذرا تھا کہ اُن حضرات نے پھر معاودت فرمائی اور اپنے ساتھ دوسرون کو بھی لائے جو اس سے پہلے شریک نہ تھے جب میر صاحب کو خبر ہوئی کہ مجلس تیار ہے خرامان خرامان تشریف لائے اور منبر پر جا کر فرمایا کہ حضرات مجھکو اس کا اندازہ کرنا منظور تھا کہ انیس کے دیکھنے والے کتنے ہین۔ الحمد للہ آپ صاحبون نے قدردانی کا ثبوت دیا،، یہ کہکر ساری مجلس کو گرویدہ کر لیا او دو چار رباعیان پڑھکر یہ مرثیہ شروع کیا۔

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے ‏ ‏ ‏ جلوہ کیا سحر کے رخ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک شہ گردون رکاب نے ‏ ‏ ‏ مُڑکر صدا رفیقون کو دی اُس جناب نے
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اُٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

اِس مرثیہ کے مسجّع بندون نے سخن شناس طبایع پر جو اثر کیا اُس کا بیان ہو نہین سکتا۔ رزمیہ بندون کے ہر شعر پر واہ واہ سبحان اللہ کی آوازون سے تمام مکان گونج رہا تھا اور رنج و الم کے جانکاہ بندون پر دلون مین بجلیان تڑپتی تھین۔ میر صاحب نے کئی مرتبہ چاہا کہ مرثیہ ختم کرین لیکن ساری مجلس کے اصرار نے جب تک پورا مرثیہ نہ سن لیا اُن کا منبر سے اُترنا قبول نہ کیا بلکہ اکثر جوہر شناس مقطع کا بند سنکر غمزدہ ہوئے کہ ابھی کیون مرثیہ ختم ہو گیا۔

حیدرآباد کا سفر

۱۸۷۱ء مین نواب تہور جنگ بہادر نے میر صاحب کو حیدرآباد طلب کیا۔ یہ طلبی دراصل سر سالار جنگ بہادر مدار المہام سلطنت عالیہ کی طرف سے تھی میر صاحب جانا نہین چاہتے تھے مگر چند معززین کی سفارش سے مجبور

ہوکر حیدرآباد تشریف لے گئے۔ اس وقت تک براہ راست ریلوے لائن جاری نہین تھی۔ کچھ دور تک گھوڑا گاڑی پر سفر کرکے براہ گلبرگہ حیدرآباد پہونچے اور سفر کی زحمت سے بیمار ہو گئے مجلس مین حیدرآباد کے تمام اُمراو شرفا شریک تھے۔ ہزارون آدمی مکانون کی چھتون پر چڑھ گئے تھے اور ایک جم غفیر جس کو اندر جانے کی گنجایش نہین ملی باہر کھڑا ہوا تھا۔ میرانیس تپ مین مبتلا تھے اُنھون نے مجلس پڑھنے سے انکار کردیا۔ فقرہ بازون نے خبر اُڑا دی کہ میرانیس کی علالتِ مزاج صرف بہانہ ہے۔ وہ حیدرآباد آئے ہی نہین۔ نواب تہور جنگ نے عرض کی کہ حضور منبر پر تشریف لیجائین اور صرف ایک رباعی پڑھکر اُتر آئین کیونکہ دشمنون نے میری رسوائی کے لیے آپ کے نہ تشریف لانے کی خبر تمام شہر مین اُڑا دی ہے۔ میر صاحب نے فرمایا مجھ مین بالکل قوت نہین ہے اور نہ میرے ہوش وحواس درست ہین۔ تجویز ہوئی کہ کسی حکیم حاذق سے میر صاحب کا معالجہ رجوع کیا جائے تاکہ تپ کم ہو کچھ بھی طاقت پیدا ہو جائے تو پھر لوگ خوشامد کرکے اپنا مطلب پورا کرلین۔ یہ صلاح پسند ہوئی اور کئی حکیمون کے نام پر استخارہ دیکھا گیا ایک ڈاکٹر کے نام پر استخارہ وہ جب آیا۔ میر صاحب ڈاکٹر کا نام سن کے متعجب ہوے اور کہا کہ مین نے کبھی ڈاکٹر کا علاج نہین کیا ہے۔ ڈاکٹر اپنے معمولات مین شراب کو ہر ایک مرکب کا جزو اعظم سمجھتے ہین مین اُن کی دوا استعمال نہین کرونگا۔ کہا گیا کہ ڈاکٹر صاحب مسلمان ہین کوئی دوا خلاف شریعت نہ دین گے۔ میر صاحب کا شک دور ہوا ڈاکٹر نے تپ اُتارنے کی دوا دی میر صاحب کو تھوڑی دیر تک پسینہ آتا رہا اور پھر بخار یک لخت اُتر گیا اگرچہ کسل تھا مگر ارکان سلطنت کی خوشامد سے مجبور ہو کر مجلس مین تشریف لائے۔ ذیل کی دو رباعیان فی البدیہہ تصنیف فرما کر پڑھین اور منبر سے اُتر آئے۔

رباعی

اللہ و رسولِ حق کی امداد رہے   سرسبز یہ شہر فیض بنیاد رہے

نواب ایسا رئیسِ اعظم ایسے   یارب آباد حیدرآباد رہے

رباعی

موجود ہے جو کچھ جسے منظور ہے یان　　علم و عمل و عطا کا دستور ہے یان
مختار الملک اور بندگان عالی　　رحمت رحمت یہ نور پر نور ہے یان

جب طبیعت کسی قدر درست ہوئی میر صاحب نے مرثیہ پڑھا لیکن اختصار کا قصد کیا سامعین نے تقاضا کیا حضور خدا کے لیے ہم سب جانین لڑائے ہوئے ہین۔ میر صاحب نے فرمایا کیا خوب آپ کی جانین لڑی ہین تو مین کیا کرون میری تو جان پر بنی ہے۔

ایک اور مجلس مین میر صاحب مرثیہ کے بارہ بندون تک پہونچے تھے دفعتًہ خیال گذرا کہ سامعین کو پوری توجہ نہین ہے۔ بیدل ہو کر حاضرین پر ایک نظر ڈالی مرثیہ توڑ کر زانو پر رکھ لیا اور ایک حسرت ناک آواز سے فرمایا "ہائے لکھنو تجھے کہان سے لاؤن" پھر ناسازی طبیعت کا بہانہ کر کے منبر سے اُتر آئے۔

تمام ارباب مجلس مہینون اس مرثیہ خوانی کا ذکر کرتے اور اُن کے طرز بیان کو یاد کر کے مزے لیتے رہے۔ رخصت کے وقت سر سالار جنگ نے سات ہزار اور نواب تہور جنگ نے تین ہزار روپیہ پیش کیے اور آمد و رفت کا خرچ علیحدہ دیا۔ ان مجالس کی شہرت ہونے کے بعد سر آسمان جاہ بہادر نے چاہا کہ میر انیس اُن کے یہان مجلس پڑھین اور اپنی ٹوپی کی جگہ حیدر آباد کی پگڑی رکھ کر زیب مجلس ہون تو پانچ ہزار روپیہ نذر کیا جائیگا۔ لیکن میر صاحب نے اپنی ٹوپی اُتار کر حیدر آباد کی پگڑی رکھنا قبول نہ کیا۔

حیدر آباد مین ایک سلام | ایک مرتبہ حیدر آباد کے ایک رئیس اعظم مجلس مین تشریف لائے لوگون نے ہاتھون ہاتھ منبر کے قریب پہونچایا ہمعصرون نے سر وقد تعظیم دی میر صاحب نے فقط اتنا ہی کہا کہ بسم اللہ۔ میر صاحب کا تعظیم کے لیے کھڑا نہ ہونا رئیس مذکور کے خلاف مزاج ہوا انھون نے اپنے مصاحبون سے خفیہ طور پر کہا کہ انکی مرثیہ خوانی کی تعریف نہ کیجائے میر صاحب اس سرگوشی کو تاڑ گئے جب منبر پر تشریف لے گئے

توچند رباعیون کے بعد یہ سلام شروع کیا۔

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتوان پیدا ہوے

اُڑ گیا جب رنگ رُخ سے استخوان پیدا ہوے

پہلے ہی شعر پر رئیس مذکور کو کسی قدر جنبش ہوئی۔ دوسرا شعر شروع کرنے سے پہلے میر صاحب نے رئیس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "سنیے یہ آپ کے سننے کا شعر ہے"

نوبتِ جمشید و دارا و سکندر اب کہان

خاک تک چھانی نہ قبرون کے نشان پیدا ہوے

نواب بے اختیار تعریف کرنے لگے۔ پھر تیسرا شعر پڑھا۔

خاکساری نے دکھائین رفعتون پر رفعتین

اس زمین سے واہ کیا کیا آسمان پیدا ہوے

بس اب پورا رنگ جم چکا تھا چوتھے شعر نے ساری مجلس کو بیتاب کر دیا۔

بے زبان دنیا سے اُٹھے بے زبان پیدا ہوے   پوردونا بود علی اصغرؑ کا کیا کیجے بیان

اہلِ دکن کی قدردانی

میر صاحب پہلے تو اہل دکن کو نافہم و نادان سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ جن محاسن پر انھین ناز ہے جس شاعری پر وہ فخر و مباہات کرتے ہین اس کے لیے زباندانی درکار ہے۔

یک بیک ایسا زمانہ مین ہوا ہے انقلاب

قدردان سب اُٹھ گئے ناقدردان پیدا ہوے

آخر مین میر صاحب کو ان کی سخن فہمی کا اعتراف ہوا رؤسائے شہر نے ایسی قدرشناسی کی کہ ایک مرتبہ بعد ختم مجلس نواب تہور جنگ بہادر میر صاحب کو فنس مین سوار کرنے کے لیے دروازے تک تشریف لائے اور میر انیس کی نعلین اپنے ہاتھ سے اٹھا کر فینس مین رکھین۔

الہ آباد کی مجلس

جب میر انیس الہ آباد تشریف لے گئے اُن کی آمد کی عام اطلاع کے لیے اشتہار شائع کرائے گئے۔ کالج اور مدارس مین ایک روز کی تعطیل ہوئی۔ تمام کچہریون مین اہل عملہ کو شرکت کی اجازت دی گئی۔

شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ سابق پروفیسر عربی الہ آباد کالج بیان کرتے ہین۔ جب مین اس مجلس مین پہونچا عالیشان مکان شایقین سے بھر چکا تھا سیکڑون مشتاق دھوپ مین کھڑے ہوے محو سماعت تھے۔ مرثیہ شروع ہو چکا تھا اور میر امجلس کے اندر جگہ پانا ناممکن تھا اس لیے مین بھی دھوپ مین کھڑا ہو کر سننے لگا۔ اُس وقت میر انیس بوڑھے ہو چکے تھے مگر اُن کا طرز بیان جوانون کو مات کرتا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ منبر پہ ایک کل کی بڑھیا بیٹھی ہوئی جادو کر رہی ہے۔ خلق خدا کا دل جس طرف چاہتی ہے پھیر دیتی ہے کبھی ہنساتی ہے کبھی رُلاتی ہے۔ مین اسی حالت مین دو گھنٹے کے قریب کھڑا رہا میرے کپڑے پسینے سے تر اور پاؤن شل ہو گئے لیکن دلچسپی اور محویت کا یہ عالم تھا کہ جب تک میر انیس کی صورت دیکھتا رہا کوئی تکلیف محسوس نہین ہوئی۔

بنارس کی مجلس

ایک مرتبہ میر صاحب پٹنہ سے واپسی کے وقت بنارس مین مجلس پڑھنے کے لیے مقیم ہوئے یہ مجلس قاضی میر یار علی کے امام باڑہ واقع تیلیا نالے مین منعقد ہوئی تھی۔ اُس وقت میر انیس میر اُنس میر مونس میر نفیس میر وحید پانچون حضرات رونق محفل تھے۔ پہلے میر وحید نے پیش خوانی کی پھر نفیس پڑھے اُن کے بعد میر مونس اور میر اُنس یکے بعد دیگرے منبر پر تشریف لے گئے۔ میر اُنس برابر کے بھائی تھے اُنھون نے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی مرثیہ نے خوب رنگ دیا اور گریہ بھی بے حد ہوا جب میر انیس سے صاحب خانہ نے درخواست کی میر صاحب نے فرمایا کہ آل مجلس ہو چکا میر اُنس ماشاء اللہ خوب پڑھے اب میری کوئی ضرورت نہین مگر صاحب خانہ نے دست بستہ عرض کی کہ یہان سب حضور ہی کے مشتاق ہین اُن کو اس سعادت سے محروم رکھیے آخر میر صاحب مجبور ہوئے اور

فرمایا کہ حاضرین مجلس کسلمند اور خستہ ہیں تھوڑی دیر آرام کرلیں پھر میں پڑھونگا۔ حقّہ کا دور شروع ہوا نصف گھنٹہ کا وقفہ دیکر میر صاحب منبر پر تشریف لے گئے اور مرثیہ ایسا پڑھا کہ اہل مجلس گذشتہ واقعات کو بھول گئے۔ خاکسار جامع اوراق ۱۹۱۵ء میں بسلسلۂ ملازمت بنارس میں تھا اُس وقت تک یہ مجلس وہان کے کہن سال بزرگون کو یاد تھی اور میر صاحب کا انداز مرثیہ خوانی فراموش نہین ہوا تھا۔

لطیفہ ۱ — ایک مرتبہ میر صاحب پٹنہ تشریف لیے جارہے تھے۔ کان پور کے اسٹیشن پر لکھنؤ کے ایک امیرزادے نواب زبدۃ الدولہ بہادر جن سے میر صاحب آشنا نہ تھے ملے۔ یہ رئیس زادے اُس وقت ایک چینی اطلس کا لبادہ پہنے ہوے تھے جس کا ریشم دھوپ کے عکس سے چمک رہا تھا۔ میر صاحب نے اپنے ایک ہمراہی سے پوچھا یہ کون صاحب ہین۔ ہمراہی نے عرض کی کہ جنرل ذوالفقار الدولہ کے صاحبزادہ ہین ان کا نام میر سید محمد اور خطاب زبدۃ الدولہ ہے۔ میر صاحب نے مسکراکر کہا جبھی مرغ زرین بنے ہوئے ہین۔ صاحب بادشاہی متوسلین سے ہین۔

لطیفہ ۲ — میر صاحب تپ مین مبتلا تھے۔ مفتی میر عباس عیادت کو تشریف لائے نبض دیکھکر فرمایا اب تو بخار خفیف ہوگیا ہے۔ میر صاحب نے فرمایا کہ ایک مشت استخوان کی ناتوانی دیکھکر ایسا خفیف ہوگیا ہے کہ شاید کمبخت اب منہ نہ دکھائیگا۔

لطیفہ ۳ — ایک ملازم کو کسی کام کو بھیجا واپس آنے مین دیر ہوئی۔ میر صاحب غصہ مین بیٹھے ہوئے تھے کہ ملازم آیا اور ایک عجیب وغریب قصہ

(حاشیہ صفحہ ۹۴) سلہ میر انس اور میر مونس میر صاحب کے بھائی تھے۔ میر نفیس صاحبزادے تھے اور میر وحید بھتیجے تھے یعنی میر انس کے لڑکے۔ ۱۲

سلہ اس تالیف مین بیشتر قصص و حکایات حیات انیس (اشہری)۔ واقعات انیس (حسن) اور حیات دبیر (ثابت) سے اخذ کیے گئے ہین۔ لیکن بعض روایات ایسی بھی شامل ہین جو راقم حروف کو سینہ بسینہ پہونچی ہین۔ ۱۲

بیان کیا کہ چوک سے ایک برات جاتی تھی اوس کے دو اونٹ آپس میں لڑ رہے تھے راستہ بند تھا۔ راہگیر ایک طرف سے دوسری طرف نہیں جا سکتے تھے۔ اس لیے واپسی میں دیر ہوئی۔ میر صاحب مسکرائے اور فرمایا تو صاف کیوں نہیں کہتے کہ جنگ جمل کا تماشا دیکھ رہے تھے۔

لطیفہ ۴

میر انیس کو ایک امیر نے مدعو کیا کھانے کے بعد آم آئے مجمع احباب میں ایک حکیم صاحب بھی تھے کسی نے پوچھا کیوں حکیم صاحب آم کھانا کیسا ہے حکیم صاحب نے جواب دیا کہ آم کا مزاج حار ہے اور آج کل فصل بھی گرم ہے پانی کھل کر نہیں برسا اس لیے احتیاط مناسب ہے۔ اس دوران میں احباب نے اچھے آم چھانٹ کر کھانا شروع کر دیے۔ حکیم صاحب نے چند آم ایک قاب میں علیحدہ رکھ لیے تاکہ دلجمعی سے سیر ہو کر کھائیں کسی نے کہا "حکیم صاحب ہمیں تو آم کھانے سے منع کرتے تھے اور اپنے لیے یہ سامان جمع کرتے ہیں"، حکیم صاحب بولنے نہ پائے تھے کہ میر انیس نے فرمایا "فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ"۔

لطیفہ ۵

میر انیس الہ آباد تشریف لے گئے وہاں کے میزبان نے منجملہ اور لوازم ضیافت کے ایک من برف کی سل بھیجی۔ میر صاحب کے رفیقوں میں سے ایک نے گڑھا کھود کر برف کی سل اوس میں رکھ دی تاکہ بقدر ضرورت نکالتے رہیں شام کو وہ رئیس تشریف لائے اور برف کا ذکر آیا میر صاحب نے فرمایا آپ نے حاتم کا کام کیا تھا مگر میرے رفیق نے قارون کی طرح زمین میں دفن کیا تاکہ وہ چاندی کا ڈلا پانی ہو کر نہ بہہ جائے۔

لطیفہ ۶

جناب عشق میر صاحب کے ایک ہم عصر شاعر اور رشتہ دار تھے اتفاق سے کچھ بے لطفی ہو گئی اور طرفین کی بیگمات نے بات بڑھا دی ایک روز جناب عشق کا ذکر آیا۔ میر صاحب برافروختہ ہو رہے تھے فرمایا میں عشق کو

خوب جانتا ہون اُن کو پہلے ایک بات نکالنا اور پھر رونا دھونا خوب آتا ہے۔

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال　　ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال
کہین آنسو کی یہ روایت ہے　　کہین یہ خونچکان حکایت ہے

یہ اشعار میر تقی میر کے ہین لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اسی موقع کے لیے کہے تھے۔

لطیفہ ۷ — مرزا دبیر نے ایک بے نقط مرثیہ کہا جس کا مطلع ہے۔

ہم طالع ہما مراد کرم ہو اطالع

ایک صاحب نے میر انیس سے ذکر کیا کہ مرزا دبیر نے ایک مرثیہ کہا ہے جسمین اول سے آخر تک کوئی حرف نقط دار نہین آیا ہے۔ میر صاحب مسکرا کر بولے یہ کیسے سر سے پاؤن تک مہمل ہے جو لوگ جانتے تھے کہ اس صنعت کو مہملہ کہتے ہین وہ میر صاحب کے لطف بیان سے محظوظ ہوے

لطیفہ ۸ — مفتی میر عباس اور جناب انیس مین محبت قلبی تھی کسی بات پر کچھ شکر رنجی ہوئی۔ مفتی صاحب نے ایک رقعہ میر انیس کے پاس روانہ کیا۔ انیس نے لفافہ پر یہ لکھکر واپس کر دیا۔

-شعر-

مرنجان دلم را کہ این مرغ وحشی　　ز بامے کہ برخاست مشکل نشیند

لطیفہ ۹ — میر صاحب کے زمانہ مین رعایت لفظی کی بلا لکھنؤ پر مسلط تھی اور اُس کے اثر سے مجبور ہو کر میر صاحب بھی بعض اشعار مین اس رعایت کا لحاظ کرتے تھے کسی شخص نے میر صاحب سے پوچھا کیا آپ رعایت لفظی کو پسند کرتے ہین فرمایا کیا کرون لکھنؤ مین رہنا ہے۔

لطیفہ ۱۰ — میر صاحب کو اپنے گھر کی زبان پر ناز تھا اور وہ بعض محاورات مین اہل لکھنؤ کی تقلید نہین کرتے تھے۔ تاہم یہان کی زبان کو دہلی کی مروجہ اردو سے بہتر سمجھتے تھے۔ میر صاحب کے ایک دوست دہلی جانے لگے اُن سے فرمایا تم

دہل جاتے ہو تمہاری زبان بگڑ جائیگی پھر وہی ورے پرے بولنے لگوگے۔

حکایت ۱

ایک نواب صاحب میر انیس کی خدمت مین مرثیہ کی مشق فرمارہے تھے اتفاق سے کھجانے کی ضرورت ہوئی ضبط نہ کرسکے۔ دامن ہٹاکر پیٹ کھجانے لگے۔ میر صاحب نے کن انکھیون سے دیکھا اور خاموش ہورہے جب کھجانے کا سلسلہ دیر تک جاری رہا میر صاحب کا چہرہ سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ مرثیہ رکھدو اور اچھی طرح کھجالو۔ مرثیہ پڑھنا اور اس بدتمیزی سے کیا علاقہ۔ نواب صاحب نے معافی چاہی میر صاحب نے فرمایا "نہین صاحب کھجائیے اور اچھی طرح کھجائیے" آپ نے مرثیہ کی تعلیم دھرپد اور ٹپے کی تعلیم سمجھی ہے کہ گاتے بھی جاتے ہین اور کھجاتے بھی جاتے ہین۔

حکایت ۲

میر صاحب چاہتے تھے کہ دوران مرثیہ خوانی مین کوئی صاحب آئین تو جہان جگہ ملے وہین بیٹھ جائین وہ اکثر فرماتے تھے کہ انیس کے مشتاق ہونگے تو پہلے سے تشریف لاکر کشمکش کی زحمت نہ اٹھائین گے ورنہ بانی مجلس کی خاطر سے آنے والے قدردان انیس نہین ہین اور نہ انیس کو ان کے حفظ مراتب کی ضرورت ہے۔

ایک مرتبہ دوران مرثیہ خوانی مین ایک رئیس تشریف لائے اور چاہا کہ کسی طرح صفین چیرتے پھاندتے منبر کے قریب پہونچ جائین۔ میر صاحب سمجھ گئے اور اپنی رعب دار آواز سے فرمایا کہ بس وہین بیٹھ جاؤ ایک قدم آگے نہ بڑھانا۔ رئیس نے وہین غوطہ مارا اور میر صاحب کی بے اعتنائی کی پروا نہین کی۔

حکایت ۳

ایک مرتبہ میر صاحب کی طبیعت کسلمند تھی آواز خستہ ہوگئی تھی شائقین نے مجلس پڑھنے کا اصرار کیا۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور حسب ذیل رباعی فی البدیہہ تصنیف کرکے پڑھی۔

ہرچند کہ خستہ و حزین ہے آواز — پر تعزیہ دار شاہ دین ہے آواز
نکلے نہ اگر کنج دہن سے تو بجا — ماتم کے ہین دن سوگ نشین ہے آواز

حکایت ۷۴

گرمی کا موسم تھا اور مشتاقوں کے ہجوم نے مجلس میں سانس لینا دشوار کر دیا تھا۔ میر صاحب نے ارشاد فرمایا۔

دھوپ آکے یہاں پہ زرد ہو جاتی ہے
آندھی آئے تو گرد ہو جاتی ہے
آہوں کے ہیں پنکھے آنسوؤں کا چھڑکاؤ
یاں گرم ہوا بھی سرد ہو جاتی ہے

حکایت ۷۵

شہادت علی اصغرؑ کے احوال میں ایک دردناک مرثیہ میر صاحب نے سخت بیماری کی حالت میں کہا تھا۔ اُس کے مقطع میں عرض کرتے ہیں:۔

دفنِ علی اصغرؑ کا ہے پر درد بہت حال | کرتا ہے یہی عرض کہ اے فاطمہ کے لال
بیمار انیسِ جگر افگار ہے امسال | یہ مرض مرا دور ہو یا دور رہے اقبال
ہو داورِ خلق مری داد کو پہونچو
اے شاہِ شہیداں مری امداد کو پہونچو

اسی حالت میں وہ مرثیہ بھی کہا جس کا مطلع ہے ع جبکہ تیر دن سے بدن شاہ کا غربال ہوا اُسکے مقطع میں دعا مانگتے ہیں:۔

یا حسین ابن علی قبلۂ دین شاہ امام | سخت ایذا میں گرفتار ہے حضرت کا غلام
مضطرب ہوں مدد اے باشہِ ذیشان مدد اے | وقت مشکل ہے مددگارِ غریباں مدد اے

اس مرثیہ میں وہ مشہور شعر بھی ہے جو بعد کو مرزا دبیر کی نازک خیالی سے ترقی پاکر سہل ممتنع ہوگیا میر صاحب نے فرمایا تھا

حلق پر تیغ ہو اور سینہ پہ ہو جلاد | ہے یہ امید کہ اُس دم بھی نہ بھولے تری یاد
نہ غمِ اہلِ حرم ہو نہ خیالِ اولاد | کان تک میرے سکینہ کی نہ پہونچے فریاد
دھیان بیٹے کا نہ بیٹی کا نہ ہمشیر کا ہو

ذکر تسبیح کا تہلیل کا تکبیر کا ہو

مرزا دبیر نے اس خیال کو یون ادا کیا:۔

تو شہنشاہ شہنشاہون کا ہے بارِ خدا ہین برابر تری درگاہ مین سب شاہ و گدا
خاطرِ عاشقِ جان باز ہے البتہ جُدا اے خوشا حال کہ مجھ سے ہو ترا عشق ادا

حلق پر تیغ رہے سینے پہ جلاد رہے
لب پہ ہو نام ترا دل مین تری یاد رہے

سبحان اللہ! کس قدر صاف بندش ہے اور کیسا مؤثر طرزِ بیان!! دونون بزرگون نے ایک ہی مضمون نظم کیا مگر مرزا صاحب نے "لب پہ ہو نام ترا" اضافہ کر کے شعر مین جان ڈالدی اور میر انیس کا سارا بند اپنی ایک ٹیپ سے گرد کر دیا[1]

حکایت ۷۶

جس سال میر صاحب پہلی مرتبہ عظیم آباد تشریف لیگئے ایک سخن شناس نے ان کا کلام سنکر اعتراض کیا کہ مرثیہ گویانِ لکھنو حضرات اہلبیت کا صبر و شکر کرنے کے بجائے بعض اوقات ایسی باتین نظم کرتے ہین جو صبر و رضا کے بالکل منافی ہین۔ یہ خبر جب میر انیس تک پہونچی آپ نے فرمایا کہ جو صاحب معترض ہین وہ دس بندہی لیسے کہکر سنا دین جن مین صحیح روایات سے مطلق تجاوز نہو اور پھر کلام مؤثر و دلکش ہو۔

حکایت ۷۷

میر صاحب کے باکمال نواسے پیارے صاحب رشید کا عنفوانِ شباب کا زمانہ اور مشقِ سخن کی ابتدا تھی۔ انھون نے غزل کہی۔ نانا کے پاس اصلاح کو لے گئے۔ مصرعۂ طرح یہ تھا ع ۔وصل کی شب اُن سے باتون مین سحر ہو جائیگی۔

---

[1] نافہم کہتے ہین کہ یہ حکایت "یادگار" سے نکال ڈال۔ اس قصہ سے میر صاحب کی تنقیص ہوتی ہے۔ اور اگر اس کے درج کرنے پر اصرار ہے تو یہ شعر بھی لکھدے

گاہ باشد کہ کودکے نادان از غلط بر ہدف زند تیرے

نقلِ کفر کفر نباشد۔ مرزا صاحب کی شان مین راقم الحروف ایسی گستاخی ہرگز نہین کرسکتا اور نہ اس حکایت کو حذف کر کے انصاف کے گلے پر چھُری چلا سکتا ہے ۔۱۲

جدامجد کو خوش پاکر عرض کی کہ آپ بھی اسی طرح مین غزل کہین ۔ پیارے نواسے کو گلے لگاکر ارشاد فرمایا "بیٹا مرثیہ ہماری غزل ہے ۔ اچھا ایک مجلس مین تمھاری خوشی کرین گے اور غزل پڑھین گے ۔ چند روز کے بعد دل آرام کی بارہ دری مین مجلس تھی ۔ دو رباعیان پڑھنے کے بعد فرمایا کہ "پیارے ہماری غزل سنو" اور اُسی زمین مین ایک درد انگیز سلام پڑھا جس کا ایک شعر مؤلف حیات رشید نے اس حکایت کے ساتھ اپنی دلچسپ تالیف مین نقل کیا ہے :-

کہتے تھے سرور علی اکبر کا مرنا ہائے ہائے
کیا غضب ہوگا جو صغرا کو خبر ہو جائیگی

حکایت ۸

میر صاحب کے سامنے کسی شخص نے جرأت کا یہ شعر پڑھا ۔

ہمارے سر پہ چھائی ہین بلائین شام ہجران کی
وہ اپنے شغل مین ہین بال اُدھر کھولے اُدھر باندھے

آپ نے بہت تعریف کی اور اپنے دونون ہاتھ کانون کے پاس لیجا کے اور چارون انگلیون کو یکے بعد دیگرے ایک دوری حرکت دیکے دوسرے مصرعہ کو اس طریقہ سے ادا کیا کہ آراستگی زلف کی تصویر حاضرین کے سامنے کھنچ گئی ۔

حکایت ۹

میر صاحب ایک روز لب سڑک بیٹھے ہوئے تھے ایک رئیس کی گاڑی سامنے سے گذری رئیس نے کوچوان سے اشارہ کیا کہ گاڑی آہستہ آہستہ لیچلے تاکہ میر صاحب متوجہ ہون تو سلام کر لے میر صاحب نے فوراً ارادہ سمجھ لیا اور اُس جانب سے منھ پھیر کر کسی اور شخص سے گفتگو کرنے لگے ۔ جب گاڑی نکل گئی فرمایا کہ اس شخص کی صورت سے مجھے نفرت ہے اس نے سلطنت سے بے ایمانی کی اور ہزارون بے گناہون کی گردنون پر چھری پھیری ہے ۔ مین کیا ہون رحمت خدا نے بھی ایسے لوگون کی جانب سے منھ پھیر لیا ہے ۔ اسی طرح ایک مرتبہ ماہ رمضان مین نماز جماعت کے لیے تحسین کی مسجد مین تشریف لے گئے

وہان بھی ایک رئیس نے میر صاحب کو مخاطب کرنا چاہا اُنھون نے منھ پھیر لیا اور دوسرے شخص سے باتین کرنے لگے کسی نے عرض کی کہ فلان رئیس امیدوار سلام ہے میر صاحب نے دوسری جانب رُخ پھیر کر فرمایا کہان اُس نے رئیس کی طرف اشارہ کر کے کہا اُدھر میر صاحب نے تیسری جانب رخ پھیر کر فرمایا کہان ہین آخر وہ رئیس شرمندہ ہو کر بیٹھ گئے اور میر صاحب مسکراتے ہوئے نماز کو کھڑے ہو گئے -

حکایت ۱۰۸

داروغہ اچھے صاحب ایک بزرگ لکھنؤ مین میر صاحب کے شاگرد تھے سال بھر بعد ایک مجلس بڑی دھوم دھام سے کرتے اور تمام رؤسا شہر اور شرفا کو بلاتے تھے اُن کو مرثیہ خوانی کا بڑا دعوے تھا - ایک مرتبہ میر انیس کا نیا مرثیہ پڑھے میر صاحب بھی موجود تھے داروغہ صاحب نے اپنی دانست مین مرثیہ خوانی کے خوب جوہر دکھائے اور بڑے فخر و مباہات سے مرثیہ تمام کیا جب مجلس ختم ہو گئی میر صاحب نے اپنے ایک حاضر باش سے فرمایا کہ آپ نے داروغہ صاحب کا پڑھنا دیکھا اُنھون نے تعریف کی میر انیس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور بولے تم ایسا کہتے ہو میرے مرثیہ کی ہڈیان پسلیان توڑ دین میرے مضامین پر ظلم کیا میرے قلب پر جو کچھ صدمہ گذرا ہے اُسکو مین ہی خوب جانتا ہون - یہ باتین ہو ہی رہی تھین کہ داروغہ صاحب کی فینس آ گئی میر صاحب فرمانے لگے دیکھیے یہان بھی مجھ سے داد لینے آئے ہین لیکن جون ہی داروغہ صاحب فینس سے اُترے میر انیس نے فرمایا کہ "اچھے صاحب آج کی مجلس یادگار پڑھے ہو - مین حیران ہون کہ میرے خیالات شاعری کے لیے تم مین جذبات خواندگی کہان سے پیدا ہو جاتے ہین - داروغہ صاحب نے تسلیم کی اور بیٹھے - میر انیس نے پھر سلسلۂ تعریف شروع کیا داروغہ صاحب کھڑے ہو گئے اور پھر فرشی سلام کیا - اس ترکیب سے دس پانچ مرتبہ داروغہ صاحب کو اُٹھ بیٹھ کرنا پڑی - پھر میر صاحب نے اپنے صاحبزادے کو بلوایا اور اُن سے مخاطب ہو کر تعریف شروع کی "کیون خورشید علی تم نے اچھے صاحب کا پڑھنا سنا" صاحبزادے نے بھی

تعریف کی۔ میر صاحب نے فرمایا کہ "خدا جانے آج تک اس مرثیہ کو مین کیا پڑھا اور تم کیا پڑھے۔ مرثیہ کے جوہر تو آج داروغہ صاحب کے پڑھنے سے کھلے ہین" داروغہ صاحب اس مبالغہ پر پھول گئے۔ اور حقیقت امر کو نہ سمجھے۔

بحر لکھنوی لکھنؤ کے مشہور شاعر شیخ امداد علی بحر میر انیس کی خدمت مین اکثر تشریف لاتے اور اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔ ایک روز میر صاحب کے سامنے ایک مطلع پڑھا جس کی مشاعرہ مین بہت تعریف ہوئی تھی اور داد کے امیدوار ہوئے میر صاحب سن کر خاموش ہو گئے۔ شیخ صاحب نے دوبارہ داد چاہی۔ میر صاحب کو ان کی اس حرکت سے غصہ آگیا۔ فرمایا کہ مین نہین سمجھتا اس مطلع کی تعریف اہل مشاعرہ نے کیا سمجھکر کی اسمین تو ایک ترکیب خلاف محاورہ واقع ہوئی ہے۔ مطلع یہ تھا۔

حور بن کر ترے کشتے کی قضا آتی ہے
دامن تیغ سے جنت کی ہوا آتی ہے

میر صاحب کا اعتراض تھا کہ دامن تیغ خلاف محاورہ ہے دامن شمشیر چاہیے شیخ صاحب نے اس محاورہ کی تلاش مین ایرانیون کا کلام چھان ڈالا کہین سند نہ ملی۔

شیخ صاحب اکثر یہ فرمائش میر صاحب سے کیا کرتے تھے کہ حضور میرا دیوان ایک مرتبہ ملاحظہ فرما کر اصلاح سے مزین فرمائین۔ میر صاحب ٹال دیا کرتے تھے اور جب وہ چلے جاتے میر صاحب فرماتے کہ واللہ جو اس کی شاعری کچھ بھی میری سمجھ مین آتی ہو۔ کچھ عجب مہمل کلام ہے مثلاً

غم سے ہوئے ہین بال ہمارے سفید بحر ۔۔۔ سر مین چھپوندی لگ گئی آنکھوں کی سیل سے

سالک مرزا غالب کے مشہور شاگرد میر قربان علی سالک[1] ۱۲۷۸ھ ۱۸۶۱ء مین لکھنؤ تشریف لائے تھے وہ اپنی بیاض مین تحریر فرماتے ہین

---

[1] خواجہ الطاف حسین حالی نے سالک کا نام ایک قطعہ مین اس طرح لیا ہے ۔ غالب ہے نہ شیفتہ نہ نیر باقی

رہ میں دو مہینے سے لکھنؤ میں وارد ہون۔ دلّی مین مرزا غالب اور استاد ذوق کی چوٹین دیکھتا سنتا تھا مگر یہان میر انیس اور مرزا دبیر کی معرکہ آرائی کا عالم نرالا ہے۔ ایک طرف کا معتقد دوسری طرف والون مین ایسے دیکھا جاتا ہے جیسے موحدین مین مشرک اور مسلمانون مین کافر۔ مین نے اپنے آپ کو میر انیس کے طرفدارون مین رکھا ہے۔ ایک روز میر صاحب سے دلّی کا ذکر آگیا۔ طرز بیان سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب تک اُن کے دل مین دلّی بسی ہوئی ہے۔ اپنی جائے سکونت (سبزی منڈی) کو فرمانے لگے۔ یہ اسی باغ کا سبزہ زار ہے۔ میرزا غالب کو یگانۂ فن کے لفظ سے یاد کیا اور ذوق و مومن کی نسبت فرمایا کہ ذوق شاہی دربار کے شاعر۔ اور مومن اپنی طبیعت کے بادشاہ ہین۔ پھر حکیم مومن خان کا یہ شعر پڑھا ؎

نہ کچھ شوخی چلی بادِ صبا کی
بگڑنے مین بھی زلف اُس کی بنا کی

پڑھنے کے بعد ایک چپ سی لگ گئی۔ جیسے کوئی حسین صورت سامنے ہے اور ہوا سے اُسکی زلف اُڑ رہی ہے اور میر صاحب اُسکو دیکھ دیکھکر ادائے کلام کے مزے لے رہے ہین۔
ایک روز فرمانے لگے دلّی کا کچھ کلام سناؤ مین نے میرزا غالب کی یہ غزل پڑھی۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے — ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
ایمان مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر — کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

پھر اپنی غزل پڑھی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

دنیا مین مجھے خاک اُڑانے نے ڈبویا
ہر بار نکل آتا ہے دریا مرے آگے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۳) وحشت ہے نہ سالک ہے نہ انور باقی + حالی بس اسی کو بزم یاران سمجھو +
یارون کے جو کچھ داغ ہین دل پر باقی +
راقم الحروف کے لڑکپن مین سالک کے اس مطلع کی لکھنؤ مین بہت شہرت تھی ؎
زبان کٹ جائے گر لب سے تمھارا کچھ گلا نکلے — مگر یہ تو کہونگا تم کو کیا سمجھے تھے کیا نکلے

اسی شعر پر فرمایا خوب کہا ہے۔ یہ کہکر فرمانے لگے۔ لکھنؤ والے روکے ہے کہتے ہین کھینچے ہے نہین بولتے اور ڈبویا بھی اُنکی زبان پر نہین مگر مین لکھ جاتا ہون۔

غالب — میرزا غالب سنہ ۱۸۳۰ء مین لکھنؤ مین تشریف لائے یہ زمانہ نصیر الدین حیدر بادشاہ دوم اودھ کا تھا اُس وقت تک میر انیس کی کافی شہرت لکھنؤ مین نہین تھی وہ میر ضمیر اور شیخ ناسخ سے لکھنؤ مین ملے لیکن انیس سے ملاقات کی نوبت نہین آئی۔ میر صاحب کا ایک مشہور شعر ہے۔

ہے سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا برسون پڑھے تو یاد نہ ہووے سبق مرا

غالب نے اس شعر پر اعتراض[۱] کیا کہ کلام ادق سہل ممتنع کا منافی ہے۔ پھر یاد نہ ہونا اور حافظہ پر نہ چڑھنا ہرگز سہل ممتنع کی صفت نہین ہو سکتی۔ کلام ادق کلام مغلق کو کہتے ہین۔ کلام مغلق اور کلام سہل ممتنع ضد یک دیگر ہے ایک انصاف پسند دبیریے[۲] نے اس اعتراض کا نہایت معقول جواب دیا ہے۔ وہ فرماتے ہین۔ میر صاحب کی مراد اس موقع پر کلام ادق سے کلام مغلق نہین ہے بلکہ ادق کے لغوی معنی لیجیے "بہت باریک کلام" مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا کلام جس مین نازک خیالیان ہین باین ہمہ سہل ممتنع ہے۔ دقیق کلام کی یہ صفت ہے کہ غور و فکر کے بعد سمجھ مین آئے جن صاحبون نے علم معانی و بیان کی کتابون کی سیر فرمائی ہے اُن سے یہ امر پوشیدہ نہین کہ جو کلام غور و فکر کے بعد سمجھ مین آتا ہے زیادہ لطف دیتا ہے اسکی مثال

---

۱ عود ہندی۔ رقعہ نمبر ۱۲۷۔ خواجہ غلام غوث بے خبر کے نام پر۔

"یہ مصرعہ حیرت آور ہے۔ کلام ادق سہل ممتنع کے منافی ہے پھر یاد نہ ہونا اور حافظہ پر نہ چڑھ جانا ہرگز سہل ممتنع کی صفت نہین ہو سکتی۔ کلام ادق جس کا حفظ دشوار ہو شاید کوئی قسم اقسام کلام سے ہو۔ ہان کلام ادق کلام مغلق کو کہتے ہین۔ سو کلام مغلق اور کلام سہل ممتنع ضد یکدیگر ہے۔ مغلق اور ادق سہل ممتنع اور سہل ممتنع مغلق اور ادق کیونکر ہو سکے گا اور حافظہ مین محفوظ رہنا کلام ادق اور مغلق کی صفت کیونکر پڑے گی۔ ہان مغلق عسیر الفہم ہوگا۔ پڑھا نہ جائے گا۔ معنی سمجھ مین نہ آئین گے۔ سہل ممتنع کی وہ صفت تھی جو فقیر اوپر لکھ آیا۔ اس شعر سے مجھکو کچھ علاقہ نہین۔"

۲ سید افضل حسین ثابت لکھنوی۔

یہ لکھی ہے کہ جو نعمت و دولت کوشش و محنت سے آدمی کو ملتی ہے اُس سے زیادہ مزا آتا ہے پس جس کلام میں نازک خیالات نظم ہوں اور آدمی محنت کرکے اُن کے معنی حاصل کرے اُس سے دماغ کو راحت اور روح کو فرحت زیادہ ہوگی۔ دوسرے مصرعہ میں "برسوں پڑھے الخ" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شاعر میرے طرز خاص میں محنت کرکے برسوں کہے جب بھی میرا طرز تصنیف اُس کو نہیں آسکتا۔ یہ بھی شاعر کا ایک کمال سمجھا جاتا ہے کہ اُس کے طرز میں کہنے سے لوگ عاجز ہوں"

غالب کا مسدس

ایک بار غالب نے بھی تین بند مرثیہ کے کہے وہ اس کوچہ سے ناآشنا تھے اور اس صنفِ سخن کو فصحائے لکھنؤ حدِ کمال تک پہونچا چکے تھے۔ تاہم تبرکِ غالب ہے سنیئے۔

ہاں اے نفسِ بادِ سحر شعلہ فشاں ہو
اے دجلۂ خوں چشمِ ملائک سے رواں ہو
اے زمزمۂ قُم لبِ عیسیٰ پہ فغاں ہو
اے ماتمیانِ شہِ معصوم کہاں ہو
بگڑی ہے بہت بات بنائے نہیں بنتی
اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بنتی

تابِ سخن و طاقتِ غوغا نہیں ہم کو
ماتم میں شہِ دیں کے ہیں سودا نہیں ہم کو
گھر پھونکنے میں اپنے محابا نہیں ہم کو
گر چرخ بھی جل جائے تو پروا نہیں ہم کو
یہ خرگہِ نُہ پایہ جو رفعت سے بجا ہے
کیا خیمۂ شبیر سے رتبہ میں سوا ہے

کچھ اور ہی عالم نظر آتا ہے یہاں کا
کچھ اور ہی نقشہ ہے دل و چشم و زباں کا
کیسا فلک اور مہرِ جہاں تاب کہاں کا
ہوگا دلِ بیتاب کسی سوختہ جاں کا
اب مہر میں اور برق میں کچھ فرق نہیں ہے
گرتا نہیں اس رو سے کہ وہ برق نہیں ہے

تعداد مراثی میر انیس کے مرثیون کی صحیح تعداد کوئی بتا نہین سکتا۔ مؤلف حیات انیس دس ہزار تحریر فرماتے ہین۔ لیکن واقعات انیس کے مولف جن کو خاندان انیس سے قرابت کا بھی شرف حاصل ہے۔ فرماتے ہین کہ مرثیون کی تعداد ایک ہزار تک ہے۔ کہتے ہین کہ میر سلامت علی لکھنؤ مین ایک بزرگ تھے جن کو کلیات انیس جمع کرنے کا شوق تھا۔ انھون نے میر صاحب کا وہ کلام بہم پہونچایا جو خود میر صاحب کے پاس بھی نہ تھا۔ ایک روز ان سے میر صاحب نے مسکرا کر دریافت کیا "کیون صاحب میرا کلیات سب آپ نے جمع کر لیا ہوگا" میر سلامت علی نے عرض کی کہ حتی الامکان مین نے کوشش بلیغ کی ہے میر انیس نے فرمایا "بھلا جناب عون و محمد کے حال کے کتنے مرثیے آپ کے پاس ہین،، میر سلامت علی صاحب نے مطلعے پڑھنا شروع کیے دس پندرہ مطلعون کے بعد میر انیس نے فرمایا کہ اچھا اب آپ خاموش رہین مین مطلعے پڑھتا ہون آپ اقرار کرتے جائیے میر انیس نے مطلعے پڑھنا شروع کر دئیے میر سلامت علی حیرت سے منہ دیکھتے رہ گئے۔ وہ کہتے جاتے تھے کہ یہ مرثیے میرے پاس نہین ہین۔ آخر کار میر صاحب نے مسکرا کر فرمایا بس اسی تلاش پر تمھین ناز ہے۔ بھائی کس پھیر مین پڑے ہو واللہ انیس کو خود معلوم نہین کہ اسکی تصنیف کی حد کیا ہے مجھے گمان واثق ہے کہ فیض آباد سے لکھنؤ تک میری تصنیف مین عون و محمد کے حال کے مرثیے دو سو سے زیادہ ہونگے" کثرت کلام کا اندازہ اس تاریخی شہادت سے ہو سکتا ہے کہ میر صاحب خود ایک سلام کے مقطع مین فرماتے ہین۔

فیض غم حسین سے ہوتے ہین اے انیس
ہر سال ایک حال کے دفتر جدا جدا

بہت سے مرثیے نا تمام رہ گئے۔ ان کا اب کہین پتا نہین۔ کلام چھ جلدون مین شائع ہوا ہے لیکن ابھی تک سیکڑون مکمل مرثیے باقی ہین جو طبع نہین ہوئے۔ ان کے علاوہ بہت سے مرثیے اور سلام ایسے ہین جن پر دوسرون نے تصرف کر لیا ہے۔ میر مونس اور میر نفیس کے متعدد مرثیے میر انیس کے کہے ہوئے معلوم ہوتے ہین۔

انداز ہنگام تصنیف میر صاحب خلوت خانہ مین تشریف لیجاتے اور اندر سے دروازے کی

زنجیر بند کر لیتے وہان بے تکلف ہو کر بیٹھتے اور دس دس بیس بیس پچاس پچاس بند کہہ ڈالتے جو اُن کے لوح حافظہ پر لکھ جاتے جب باہر تشریف لاتے جو عزیز یا شاگرد سامنے آجاتا اُسے لکھا دیتے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ بستر پر دراز ہو جاتے چادر سر سے پاؤن تک اوڑھکر منہ چادر کے اندر کر لیتے اور ایک ہاتھ خم کر کے اُس کی کلائی آنکھون پر رکھ لیتے اور شغل تصنیف جاری ہو جاتا تھا اس صورت مین بھی کاتب کوئی دوسرا شخص ہوتا تھا۔

میر مونس میر مونس میر صاحب کے چھوٹے بھائی اور شاگرد تھے ایک مرتبہ اُن کی زبان سے نکلا کہ مشاقون کے نزدیک ایک شب مین سو پچاس بند مرثیے کے کہہ لینا کچھ بڑی بات نہین۔ غمازون نے یہ فقرہ میر انیس کے کان تک پہونچا دیا اور خدا جانے کس عنوان سے بیان کیا کہ میر صاحب کو چھوٹے بھائی کی طرف سے کسی قدر ملال پیدا ہوا۔ اتفاق سے اُسی زمانہ مین میر مونس نے ایک مجلس کے لیے نیا مرثیہ کہا اور میر صاحب کی خدمت مین بغرض اصلاح حاضر ہوئے۔ اُس وقت میر صاحب دیوان خانہ کے حوض مین غسل فرما رہے تھے۔ گرمی کی فصل تھی اور ارادتمندون کا مجمع تھا۔ میر مونس تسلیم کر کے بیٹھ گئے میر صاحب نے فرمایا اس وقت کہان آئے عرض کی کہ مجلس کا زمانہ قریب ہے اصلاح کے لیے حاضر ہوا ہون۔ میر صاحب مسکرائے اور فرمایا اچھا تم مرثیہ پڑھو مین سنتا ہون۔ میر مونس نے مرثیہ شروع کیا۔ میر انیس غسل کرتے جاتے تھے اور کلائیون کو مل رہے تھے معلوم ہوتا تھا کسی گہرے خیال مین ڈوبے ہوئے ہین۔ پچیس تیس بند سننے کے بعد فرمایا "لاؤ مرثیہ مجھے دیدو" میر مونس نے ہاتھ بڑھا کر مرثیہ دیدیا۔ میر صاحب نے مرثیہ کو دو تین مرتبہ حوض مین غوطہ دیکر اُسی کے اندر چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اس مرثیہ مین کیا ہے جسے اتنی بڑی مجلس مین پڑھنے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ کہکر حوض سے باہر تشریف لائے اور زنانے مکان مین چلے گئے۔ میر مونس سکتہ مین بیٹھے رہ گئے۔ کچھ تصنیف کے ضائع ہونے کا ملال اور کچھ بھائی

کی ملامت کا اثر غرض عجب مخمصہ تھا کہ قابل بیان نہین ۔ تھوڑی دیر کے بعد میر صاحب نے بھائی کو بلا بھیجا میر مونس مکان مین تشریف لے گئے دسترخوان بچھا ہوا تھا میر صاحب بھائی کا انتظار کر رہے تھے ۔ میر مونس سے فرمایا مین جانتا ہون مرثیہ کا غم تمھین بہت ہے مگر خیر آؤ کھانا تو کھا لو ۔ میر مونس تعمیل حکم مین مصروف ہوے ۔ میر صاحب مسکراتے جاتے اور مونس سے باتین کرتے جاتے تھے ۔ اثنا ے گفتگو مین فرمایا بھائی اتنا غم کیون کرتے ہو ۔ ماشاءاللہ جوان آدمی ہو کیا بڑی بات ہے مجلس کو کئی روز باقی ہین دوسرا مرثیہ کہ لو ۔ میر مونس نے عرض کی حضور خوب جانتے ہین مجھ مین اس قدر قوت شاعری نہین ہے ۔ میر انیس نے فرمایا کہ پھر کس بھروسے پر کہا تھا کہ سو پچاس بند ایک رات مین کہ لینا بڑی بات نہین ۔ میر مونس کو اپنا قول یاد آیا نہایت محجوب ہوے ۔ کھانے سے فراغت کے بعد میر انیس پلنگ پر تشریف لے گئے ایک بھائی اور دو فرزندون کو حکم ہوا کہ پلنگ کے قریب کرسیون پر بیٹھین ۔ کاغذ ہر ایک کے ہاتھ مین دیا گیا اور سلسلۂ تصنیف شروع ہوا ۔ اس طرح جو مرثیہ مرتب ہوا اُسکا مطلع ہے :۔

مجلس افروز ہے مذکور وفاداری حُر

یہ مرصع مرثیہ اب میر مونس کے نام سے مشہور ہے ۔ ایک بند سننے کے قابل ہے ۔

حُر شب عاشورہ کو طلوع سحر کا منتظر ہے ۔ خیریت سے صبح ہو تو وہ حضرت امام کے حضور مین جائے ۔

متردّد متفکّر متحیّر بے چین | تھی دعا دل مین بچے فاطمہ کا نور العین
تھرتھراتا تھا سید انیان کرتی تھین جو بین | طپش دل کا تقاضا تھا کہ چل سوے حسینؑ

صبح اعدا مین نہ شاہ شہدا گھر جائین
شب کو ملجائے جو خورشید تو دن پھر جائین

انیس و نفیس و مونس

ایک مرتبہ میر انیس سے کسی صاحب نے عرض کی آپ کے خاندان مین سب صاحبون نے اپنے اپنے مذاق کے موافق مرثیے کہے ہین

اگر ایک مضمون پر ایک ہی بحر مین تین مرثیے لکھے جائین تو بڑی دل چسپی سے سنے جائین گے چنانچہ وہ ہین یہ بات طے ہوگئی کہ حضرت زینب کے بیٹون کی جنگ کو مع تشبیب صبح ایک بحر مین لکھا جائے اور چند لوازم جمع کیے جائین اُسپر میر نفیس نے یہ مرثیہ لکھا ؎

جب عابدون کو طاعتِ رب مین سحر ہوئی — تیاری نمازِ جماعت اُدھر ہوئی

اور میر مونس نے اس مرثیہ مین اپنی طاقت شاعری صرف کی۔

جب آسمان پہ مہر کا زرین نشان کھلا
پھولی شفق در چمنِ آسمان کھلا

اور میر انیس نے یہ مرثیہ کہا۔

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

آخری مرثیہ

یہ صحیح طور پر نہین کہا جا سکتا کہ اُن کا سب سے آخری مرثیہ کون ہے مگر حسبِ ذیل مرثیہ یقیناً آخری زمانہ کا کلام ہے اگرچہ ممکن ہے کہ وہ سب سے آخری نہ ہو۔ مطلع۔

واحسرتا کہ عہد جوانی گذر گیا — ہنگام قوتِ ہمہ دانی گذر گیا
وہ زور شورِ سحر بیانی گذر گیا — اب کیا علاج عمر سے پانی گذر گیا
پھولا ہے باغ بزم مین سشیعہ ہم نہین
افسوس مجلسین تو وہی ہین یہ ہم نہین

میر صاحب کا مشہور مرثیہ۔ ع۔ جب آسمان پہ ختم ہوا دورِ جام شب۔ بھی عہد پیری کا کلام ہے۔ مقطع مین فرماتے ہین۔

بس اے انیس ضعف سے لرزان ہے بند بند — عالم مین یادگار رہین گے یہ چند بند
ٹپکے قلم سے ضعف مین کیا کیا بلند بند — عالم پسند نقطے ہین سلطان پسند بند
یہ فضل اور بزمِ عزا یادگار ہے — پیری کی طاقتین ہین خزان کی بہار ہے

آخری مجلس مولانا اشہری نے لکھا ہے کہ میر صاحب نے آخری مجلس شیش محل واقع لکھنؤ مین پڑھی اور اس مجلس مین جو مرثیہ آخری مرتبہ پڑھا وہ یہ تھا۔

مصرعہ

آتی ہے کس شکوہ سے رن مین خدا کی فوج

لیکن مولف واقعات انیس لکھتے ہین کہ میر صاحب نے آخری مجلس شیخ علی عباس کوتیل کے مکان مین پڑھی تھی اور اس کے بعد کہین نہین پڑھے۔ اور یہی روایت غالباً زیادہ صحیح ہے

مرض الموت ۲۴۔ رمضان ۱۲۹۱ھ کو میر صاحب تپ اور درد سر مین مبتلا ہوئے اسکے پیشتر اُن کو سوائے ضعف پیری اور کسی مرض کی شکایت نہ تھی تپ رفتہ رفتہ بڑھتی گئی اور چند روز کے بعد ورمِ جگر کی شکایت لاحق ہوئی لکھنؤ کے مشہور اطبا کا علاج جاری رہا مگر بقول استاد۔

ہر دوا در کار خود بے کار بود | ضعف از حبّ جواہر مے فزود

مرض بڑھتا گیا جون جون دوا کی۔ آخر مین اسہال کبدی اور دق کی شکایت ہوگئی بستر مرگ پر میر صاحب نے سخن آخرین کا خاتمہ کر دیا۔ ارشاد ہوتا ہے :-

رباعی

درد و الم ممات کیونکر گذرے | یہ چند نفس حیات کیونکر گذرے
پیری کی بھی دو پہر ڈھلی شکر انیس | اب دیکھیں لحد کی رات کیونکر گذرے

رباعی

وہ موج حوادث کا تھپیڑا نہ رہا | کشتی وہ ہوئی غرق وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی کے انیس | جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

رباعی

آخر ہے حیات کوچ کرتا ہون مین | رخصت اے زندگی کہ مرتا ہون مین

اللہ سے لو لگی ہوئی ہے میری اوپر کے دم اس واسطے بھرتا ہوں میں۔

شعر۔

آخر ہے عمر زیست سے اب دل بھی سیر ہے
پیمانہ بھر چکا ہے چھلکنے کی دیر ہے

وفات ۲۹۔ ذی قعدہ روز دوشنبہ قریب مغرب انتقال فرمایا۔ جناب غفران مآب کے امام باڑہ میں قبلہ و کعبہ سید بندہ حسین نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے باغ واقع سبزی منڈی میں دفن ہوئے۔ جس کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔ ان کے قدرشناس و حریف مقابل مرزا سلامت علی دبیر نے ایک دردناک تاریخ[1] میر باقر کے امام باڑے کی مجلس میں پڑھی چشم دید شہادت ہے کہ مرزا صاحب تاریخ کے

---

[1] مرزا دبیر کا تاریخی مصرعہ "طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس" لکھنؤ میں بہت مشہور ہے۔ اکثیوں کو اعتراض ہے کہ اس مصرعہ سے ۱۲۹۱ھ نہیں نکلتے اور وجہ شبہہ کی یہ ہے کہ اس مصرعہ میں بعض کلمات کے اعداد بطور زبر اور بعض کے بطور بینہ لیے جائیں تب سن مقصود حاصل ہوتا ہے یعنی "طور سینا" کے اعداد بطور زبر و بینہ لیے جائیں اور "بے کلیم اللہ و" کے بطور زبر "منبر بے" بطور زبر و بینہ اور انیس کے بطور زبر تو ۱۲۹۱ھ حاصل ہو جاتے ہیں۔ دیکھیے

(طور سینا) بقاعدۂ زبر و بینہ	(بے کلیم اللہ و) بقاعدۂ زبر	(منبر بے) بقاعدۂ زبر و بینہ	(انیس) بقاعدۂ زبر
طا = ۱۰	بے = ۱۲	میم = ۹۰	الف = ۱
واو = ۱۳	کلیم = ۱۰۰	نون = ۱۰۶	نون = ۵۰
را = ۲۰۱	اللہ = ۶۶	با = ۳	ی = ۱۰
سین = ۱۲۰	و = ۶	را = ۲۰۱	س = ۶۰
یا = ۱۱	۱۸۴	با = ۳	۱۲۱
نون = ۱۰۶		یا = ۱۱	
الف = ۱۱۱		۴۱۴	
۵۷۲			

۵۷۲ + ۱۸۴ + ۴۱۴ + ۱۲۱ = ۱۲۹۱

لیکن اس بحث کی ضرورت باقی نہیں رہتی جب مرزا دبیر کی پوری تاریخ پڑھی جائے کیونکہ آخری دو اشعار میں انھوں نے خود ہی لکھ دیا ہے کہ انیس کے غم میں طبیعت مکدر تھی اسلیئے تاریخ ہجری صاف صاف نہیں نکلی عیسوی مصرعہ پر ایک اور مصرعہ ضم کر کے انھوں نے سنہ عیسوی بے کم و کاست حاصل کیا یعنی ذیل کی پوری شعر سے ۱۸۷۴ع نکلتے ہیں شعر

آسمان بے ماہ کامل سدرہ بے روح الامین
طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس =

اشعار پڑھتے جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ اس تاریخ کے چند شعر یہان لکھے جاتے ہین

قطعۂ تاریخ

دادخواہم یا غیاث المستغیثین الغیاث
ازکہ دل مانوس گرد د بے سخنور بے انیس

عبرۃً للناظرین گر دید افلاک و زمین
دیدنی نبود مہ و خورشید و اختر بے انیس

وادریغا عینی و دینی دو بازویم شکست
بے نظیر[1] اول شدم امسال و آخر بے انیس

یادگار رفتگان ہستیم و مہمان جہان
چند روزہ چند ہفتہ بے برادر بے انیس

الوداع اے ذوق تصنیف الفراق اے شوق نظم
شد حواس خمسہ و دہ عقل شستدر بے انیس

رشک را ربطے بدامن بود لیکن اشک ما
رفتہ رفتہ رفت تا دامان محشر بے انیس

تازہ مضمون نظم می فرمود در ہر بحر شعر
چشمہ چشم شود ہم چشم کوثر بے انیس

سال تاریخش بزیر و بینہ شد زیب نظم
طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس

در سنین عیسوی تاریخ گفتم صاف صاف
گرچہ طبعم بود محزون و مکدر بے انیس

آسمان بے ماہ کامل سدرہ بے روح الامین
طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس

میر انیس کی شاعری

میر صاحب کی آغاز شہرت سے پہلے "مرثیہ گوئی" درجۂ کمال کو پہونچ چکی تھی۔ قدیم روش ترک ہوکر میر ضمیر کا طرز جدید مقبول ہو چکا تھا۔ چہرہ باندھا جاتا تھا۔ سراپا مین زور طبیعت صرف ہوتا تھا اور رزمیہ مضامین نظم کیے جاتے تھے۔ مرزا دبیر نے شوکت الفاظ اور مضمون آفرینی کے طلسمات سے اس زمین کو آسمان بنا دیا تھا اور عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ ضمیر اور دبیر نے اس صنف سخن مین ترقی کی کوئی گنجایش باقی نہین رکھی۔

---

[1] مرزا غلام محمد نظیر حضرت دبیر کے بڑے بھائی تھے۔ ۲۸ صفر ۱۲۹۱ھ کو راہی ملک بقا ہوئے۔

دار السلطنت اُس وقت تکلف اور تصنع پر مٹا ہوا تھا۔ رعایت لفظی اور دور از کار صنعتوں کی گرم بازاری تھی۔ مرزا بیدل کی معنی آفرینی مرغوب طبائع تھی اور سخن سنج نظم اردو مین وہ صنائع تلاش کرتے تھے جنکی مثالون سے اعجاز خسروی کا دفتر رنگین ہے۔ مرزا دبیر نے اپنی بذلہ سنجی اور بلند پروازی سے مرثیون کو صنائع و بدائع سے مالامال کر رکھا تھا اور لکھنؤ کے بازار مین اسی جنس کی اُس وقت مانگ تھی۔

میر خلیق ایک وقت مین میر ضمیر کے حریف مقابل تھے۔ لیکن اُن کا طرۂ امتیاز محاورہ بندی اور روزمرّہ کی صفائی تھا۔ اور یہ سکّہ اب شہر مین کھوٹا ہو چلا تھا۔ وہان تو نزاکت لفظی اور خیال آفرینی کی تلاش تھی۔ حتی کہ ایک ظریف کے قول کے مطابق بھوک پیاس کی تسکین کے لیے آنسو پینے[۱] اور قسمین کھانے کی ضرورت ہوتی تھی۔

میر انیس نے سلاست زبان۔ صفائی روزمرہ اور خوبی بندش کی نعمتین ورثے مین پائی تھین لیکن اُس "بدمذاقی" کے زمانہ مین یہ اوصاف بقائے دوام کے دربار مین جگہ دلانے کو کافی نہ تھے۔ غور کرنا چاہیے کہ کلام انیس مین وہ کیا خاص وصف تھا جس نے اُن کی شاعری کو دوسرے اساتذہ کے کلام سے ممتاز بنایا اور اُن کے مرثیون کو قبول عام کی سرکار سے غیر فانی کا خطاب دلایا؟

میر صاحب اور اُن کے باکمال معصرون کے سو سو پچاس پچاس مرثیے پڑھے جائین تو معلوم ہوتا ہے کہ قسام ازل نے میر صاحب کی فطرت مین ایک خاص جوہر ودیعت رکھا تھا جو دوسرے شعرا کے یہان کمیاب ہے اور اسی نعمت کے مناسب اور بجا استعمال نے انیس کو مجلس کمال کا مسند نشین بنایا۔ اس جوہر کا مختصر نام "مصوری" یا "واقعہ نگاری" ہے جس کو لکھنؤ کے عوام ان الفاظ سے تعبیر کرتے تھے کہ "حفظ مراتب جیسا ان کے کلام مین ہوتا ہے وہ انھین کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی "موقع ہو جہان جس کا عبارت ہو وسے"

---

[۱] نسیم۔ کرتی تھی جو بھوک پیاس بس مین + آنسو پیتی تھی کھا کے قسمین +۔

انگلستان کے ایک فلاسفر کا قول ہے کہ شاعری فطرت کی پوشیدہ دلچسپیون کے چہرہ سے نقاب اُٹھا دیتی ہے اور اُس کے اثر سے ہم کو مانوس چیزین انوکھی معلوم ہونے لگتی ہین۔ میر صاحب جس حالت یا جذبہ کو بیان کرتے اُس کی تصویر کھینچ دیتے اور بہت سی چھوٹی چھوٹی باتین جن پر معمولی شاعر کی نظر بھی نہین پہونچتی وہ بغور و تعمق دیکھ لیتے اور اُن کا اظہار ایسی سادہ زبان اور مناسب الفاظ مین کرتے کہ کلام انوکھا معلوم ہوتا تھا اور سہل ممتنع کا خطاب پاتا تھا۔

تصویر کشی کا کمال یہ ہے کہ نقشہ اصل کے مطابق ہو۔ لیکن میر صاحب کی کھینچی ہوئی تصویر اصل سے بہتر ہو جاتی تھی مثلاً شبنم کے قطرے دیکھکر انسان کے جذبات پر وہ اثر نہین پڑ سکتا جو اس تصویر سے پڑتا ہے۔

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

۔ یا کسی کہن سال شجاع کو دیکھکر وہ کیفیت پیدا نہین ہو سکتی جو اس بند سے ہوتی ہے۔

ابرو جھکے جو پڑتے تھے آنکھون پہ باربار[1] رومال پھاڑ کر انھین باندھا تھا استوار
آنکھون سے شیر نر کی جلالت تھی آشکار گویا کہ تھی غلاف مین حیدر کی ذوالفقار

جلدی چلے جو چند قدم جھوم جھوم کے
رخصت وداع ہو گیا ہاتھون کو چوم کے

۔ میر صاحب ایسے نازک معاملات تلاش کرکے لاتے جن کی طرف معمولاً نظر بھی نہین پہونچ سکتی اور پھر اُن کو اس طرح بیان کرتے کہ اُن کا کلام بالکل مقتضائے فطرت کے موافق معلوم ہوتا۔ اگر بہت سے آدمی ایک جگہ پر لاٹھیان یا علم لیے کھڑے ہون تو دور سے دیکھنے والے کو اُنیر

[1] جناب حبیب ابن مظاہر بہت بوڑھے اور حضرت امام حسینؑ کے رکاب مین پیدل تھے۔

سب جانفشان سوار تھے راہ ثواب مین پیدل مگر تھے ابن مظاہر رکاب مین =

درختون کے جھنڈ کا شبہہ ہوتا ہے۔ اس نیچرل واقعہ کو یون بیان کرتے ہین۔

(حضرت امام حسین سفر مین ہین اور حُر کا دستہ راستہ روکنے کو آتا ہے)

حضرت بھی چلے جاتے تھے افسردہ و دلگیر   جو ایک دلاور نے کہی گھوڑے پہ تکبیر
اُس شخص سے فرمانے لگے حضرت شبیر   بتلا سبب اس ذکر کا اے صاحب توقیر
کی عرض قریب آکے شہِ عرش نشین کے
وہ نخل نظر آتے ہین کوفہ کی زمین کے

اورون نے یہ کی عرض کہ اے دلبر زہرا   خرمے کے یہان نخل تو دیکھے نہین اصلا
عباس علمدار نے جب غور سے دیکھا   کی عرض شہِ دین سے کہ فوج آتی ہے مولا
کیا جانیے انبوہ ہے یا چند نفس ہین
نوکین یہ سنانون کی ہین یا گوشِ فرس ہین

— ہنستی ہوئی آنکھ کی تعریف سب شعرا نے کی ہے لیکن روتی ہوئی آنکھ کی تصویر کھینچنا میر صاحب کا حصہ تھا۔

(سراپائے حضرت علی اکبرؑ)

روئے ہین فرقتِ شہِ عالیجناب مین   نرگس کے پھول تیر رہے ہین گلاب مین

یہی نرگس کے پھول ایک اور موقع پر قیامت برپا کر دیتے ہین۔ حضرت قاسم اپنی ایک شب کی بیاہی دلھن سے رخصت ہوتے ہین اور اُنکو رونے سے منع کرتے ہین۔

آنکھون پہ ہین ہتھیلیان رقت کا ہے وفور   نرگس کے پھول ہاتھون سے ملنا یہ کیا ضرور

— اسی مرثیہ مین جب حضرت قاسم کو دُلھن سے بات چیت مین دیر لگتی ہے۔ اور میدان سے مبارز طلبی کی صدا آتی ہے حضرت قاسم کی مان ایک انوکھے طرز سے اپنے صاحبزادہ کو میدان مین جانے کی تاکید کرتی ہین۔

مان نے کیا اشارہ کہ اے میرے گلعذار   موقع نہین ہے دیر کا اُٹھو یہ مان نثار

کیا جانے ہوگا قبر مین کیا حال باپ کا　　　جی لگ گیا عروس کی باتون مین آپ کا

۔حضرت زین العابدینؑ طوق و زنجیر سے مسلسل کربلا سے روانہ ہوتے ہین انکی تصویر ایسے دردناک الفاظ مین کھینچی کہ کبھی فراموش نہین ہو سکتی۔

تلوارین لیے چار طرف ظلم کے بانی　　　حلقے مین دل آزارون کے وہ یوسف ثانی

غربت ۔ الم بے پدری ۔ تشنہ دہانی　　　وہ طوق کا لنگر وہ سلاسل کی گرانی

مڑ کر کبھی زینب کے رخ پاک کو دیکھا

بیڑی کبھی دیکھی کبھی افلاک کو دیکھا

۔حضرت علی اکبرؑ جنگ کے لیے اجازت طلب کرتے ہین حضرت شہر بانو فرماتی ہین کہ اگر آج مین اپنے بیٹے کو لڑنے کی اجازت نہ دون تو "اشراف بیویان" یہ طعنہ دینگی کہ

گھر فاطمہ کا اُسکی بہو نے ڈبو دیا　　　فرزند کو بچا لیا وارث کو کھو دیا

۔امام حسین علیہ السلام فاطمہ صغرا کو بوجہ شدت مرض کے مدینہ مین چھوڑنا چاہتے ہین اور کوئی عزیز ۔ بیمار کی سفارش نہین کرتا تو فرماتی ہین۔

حیرت مین ہون باعث مجھے کھلتا نہین اس کا

وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہون جس کا

۔امام حسینؑ حضرت علی اصغر کو خیمہ سے لیکر نکلتے ہین۔

نکلا تھا نہ وہ گھر سے کبھی منسلیون دالا　　　دامان عبا چہرۂ فرزند پہ ڈالا

روتا تھا تو چھاتی سے لگا لیتے تھے شبیرؑ　　　ہر گام پہ دامن سے ہوا دیتے تھے شبیرؑ

حضرت علی اکبرؑ نے مان سے اجازت لیکر میدان جنگ مین تشریف لیجانے کا قصد کیا ہے حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا کہ پھوپھی سے بھی اجازت لو اُس وقت حضرت زینبؑ فرماتی ہین۔

زینب نے کہا جس مین رضائے شہ عالی　　　مین نے تو کوئی بات نہین منہ سے نکالی

کیا غم ہے نہ پوچھا نہ مجھے ۔ مان سے تو رضا لی　　　مالک ہین وہی مین تو ہون اک چاہنے والی

صدقے گئے فرزند پھوپھی سوگ نشین ہے
سمجھیں تو مرا حق ہے نہ سمجھیں تو نہیں ہے

بچپن میں یہ کاہے کو مری چھاتی پہ سوئے   کب جاگی میں تا صبح جو یہ چونک کے روئے
کنگھی نہیں کی گیسوئے مشکین نہیں دھوئے   ان کے لیے کب میں نے پسر ہاتھ سے کھوئے

کیوں روتے ہیں یہ کس لیے حضرت کو قلق ہے
حقدار میں کاہے کو مرا کون سا حق ہے

- یزید کی بیوی ہند اہل حرم کی زیارت کے لیے قید خانہ میں جانا چاہتی ہے تو کنیزیں لطائف الحیل سے مانع آتی ہیں -

بڑھکر کسی کنیز نے تب یہ کیا بیان   بی بی! کوئی اسیر وہیں زندہ نہیں ہے یاں
چلیے محل میں آپ بھلا جائیں گی کہاں   قابل نہیں حضور کے جانے کے یہ مکان

گر غش ہوئے تو آپ میں آیا نہ جائے گا
ہم سے تو اس خرابہ میں جایا نہ جائے گا

- جناب امام علیہ السلام کے تمام اعزّہ و اقربا شہید ہو چکے اس وقت ایک راہ رو اُدھر سے گذرتا ہے اور یہ عبرت انگیز سمان دیکھکر امام علیہ السلام سے واقعہ کی کیفیت دریافت کرتا ہے جناب داستان مظلومی سناتے ہیں لیکن اپنا اسم مبارک ظاہر نہیں فرماتے - وہ اظہار اسم اقدس و اعلیٰ پر اصرار کرتا ہے تو حضرت کا جواب اس طرح نظم فرماتے ہیں :-

یہ تو نہیں کہا کہ شہِ مشرقین ہوں   مولا نے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں

اہل بیت کا یزید کے دربار میں تباہ وخستہ حال حاضر ہونا - واقعۂ کربلا کا ایک نہایت دردناک اور عبرتناک ٹکڑا ہے - اس موقع پر مظلوموں کی بیکسی اور حاکم وقت کے کفر و نفاق کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی جاتی ہے :-

تخت کے سامنے روتے ہوئے آئے جو اسیر   دیکھکر سید سجاد کو بولا وہ شریر

سرکشی کرکے نہ سربر ہوئے مجھ سے شبیرؔ   شکر کرتا ہوں کہ خالق نے کیا تم کو حقیر
بیٹھنے کا کوئی دنیا میں سہارا نہ رہا
پنجتن اُٹھ گئے اب زور تمھارا نہ رہا

ہاں کہو آج حمایت کو پیمبر ہیں کہاں   کیا ہوئے ابن علی حیدر صفدر ہیں کہاں
قید میں اُنکی بہو آئی ہے شبیر ہیں کہاں   ننگے سر زینب دلگیر ہے سرور ہیں کہاں
ذبح خنجر سے ہوا جو وہ پدر کس کا ہے
اک ذرا غور سے دیکھو کہ یہ سر کس کا ہے

شبنم اور سبزہ کی تصویر کا ایک رخ پہلے دکھایا جا چکا ہے دوسرے موقع پر وہی اُوس عجیب آفت ڈھاتی ہے :۔

چلتی تھی تیز و تند ہوا اُڑ رہی تھی گرد   گلشن میں بھر رہی تھی صبا دل سے آہِ سرد
رنج و الم سے رنگِ گلِ ارغوان تھا زرد   چٹکی اگر کلی بھی تو آئی صدائے درد
نرگس تھی غم سے ششدر و حیران کھڑی ہوئی
سبزہ نڈھال اُوس گلوں پر پڑی ہوئی

۔حضرت کے چہرۂ پاک پر عرق اس قدر آگیا تھا کہ اُس کی بوندیں زمین پر ٹپکتی تھیں لہذا ارشاد ہوتا ہے کہ

کثرت عرق کے قطروں کی تھی روئے پاک پر   موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

۔ امام حسین علیہ السلام میدانِ جنگ میں بھی رحمت و شفقت ترک نہیں فرماتے ۔

لڑتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ   شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
نانا کی طرح خاطرِ امت تھی زیادہ   بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری جسے منھ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

۔عاشورہ کی حسرت ناک صبح ہے اور رفقا امام علیہ السلام نماز مین مصروف ہوتے ہین۔

نکلے حرم سے کرکے تیمم امام پاک — سجادے سب نے لا کے بچھائے بروے خاک
اکبرؑ نے دی ازان جو باوازِ دردناک — آنسو بھر آئے ہوگئے دل غم سے چاک چاک
آگے سبھون کے شاہِ حجازی کھڑے ہوئے
پیچھے صفین جما کے نمازی کھڑے ہوئے

آراستہ صفین تھین کہ قرآن کھلا ہوا — بسم اللہ آگے جیسے ہو یون تھا وہ مقتدا
اور مقتدی تھے سب عقبِ شاہِ کربلا — مصحف کی جس طرح سے ہون سطرین جدا جدا
جیسا امام ویسی ہی ابرار فوج تھی
ہر صف خدا کے نور کے دریا کی موج تھی

سیدھے کبھی الف کی طرح تھے وہ خوش خصال — جھک جاتے تھے رکوع مین گاہے بشکل دال
خم ہوگئے سجود مین گہ صورتِ ہلال — پیشانیون سے صاف عیان نورِ ذوالجلال
حق سے دعا قنوت مین کوثر کے جام کی
طاعت خدا کی تھی تو اطاعت امام کی

وہ چاند سے سفید عمامے رخون پہ نور — دیکھے سے جنکے سیر کبھی ہو نہ چشم حور
دیندار و حق پرست و دل آگاہ و باشعور — کرین کسے جہاد یہ راحت دلون سے دور
لب پر درود اشکون سے آنکھین بھری ہوئی
تلوارین سجدہ گاہون کے آگے دھری ہوئی

۔حضرت امام کے جلوس سواری کی تصویر ایک بند مین اس طرح بیان ہوتی ہے۔

جاتی تھی یون سواری سلطان بحر و بر — انجم کی فوج لیکے چلے جس طرح قمر
کھولے علم کو حضرتِ عباسؑ نامور — گھوڑون پہ قاسمؑ و علی اکبرؑ ادھر ادھر
مرکب پہ بیچ مین خلفِ بوتراب ہے

دو چودھویں کے چاند ہیں اک آفتاب ہے

۔حضرت زینبؑ کے صاحبزادے شہید ہو چکے۔ اندیشہ ہے کہ اب حضرت علی اکبرؑ میدانِ جنگ کے لیے اذن طلب کریں گے اُس وقت حضرت قاسمؑ کی والدہ فرماتی ہیں ۔

اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤنگی
بنتِ فاطمہ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤنگی

حضرت علی اکبر پھوپھی سے جنگ کی اجازت طلب کرتے ہیں اور دفع دخل کے طور پر کہتے ہیں کہ باغ جوانی کوئی رائگاں نہیں کرتا۔ اگر کوئی پیر گلشن جہان سے چھٹے تو وہ بھی افسوس کی بات ہے۔

لیکن جہان سے آج گذرنا ہی خوب ہے ... عزت پہ بات آئے تو مرنا ہی خوب ہے

حضرت علی اکبرؑ کو سر کٹانے کی ماں نے اجازت دی تو جناب امامؑ ۔حضرت شہر بانو کے صبر و رضا کی تعریف کرکے ارشاد فرماتے ہیں

آفت تو ہے فرزند کا دنیا سے گذرنا ... انسان کو لازم ہے مگر صبر بھی کرنا
برسوں سے یہی رنگ گلستان جہاں ہے ... جس گل پہ بہار آج ہے کل اُس پہ خزاں ہے
آرام جسے دیتے ہیں چھاتی پہ سُلا کر ... رکھ آتے ہیں ہاتھوں سے اُسے قبر میں جا کر
مٹی سے بچاتے ہیں سدا جس کا تن پاک ... اُس گل پہ گرا دیتے ہیں بس سیکڑوں من خاک
مادر جسے عریاں نہیں کرتی تہ افلاک ... وہ قبر میں سوتا ہے دھری رہتی ہے پوشاک

غربت میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا
شمعیں بھی جلاؤ تو اُجالا نہیں ہوتا

۔حضرت علی اکبرؑ شہید ہوئے تو جناب امامؑ کے قلق و صدمہ کی تصویر ایسے الفاظ میں کھینچی ہے کہ جواب نہیں ہو سکتا۔

جب برچھی کھا کے گم ہوا اکبر سا نونہال ... فرزند فاطمہؑ کا کہوں کس زبان سے حال

لرزہ تھا جسم پاک میں خورشید کی مثال　　چلاتے تھے شہید ہوا ہائے میرا لال
تھامے ہوئے کلیجے کو گھبرائے پھرتے تھے
اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھا کھا کے گرتے تھے

آنکھوں میں اشک لب پہ فغاں دل میں درد　　ہاتھوں میں رعشہ چہرۂ اقدس کا رنگ زرد
صدمے سے ہاتھ پاؤں کبھی گرم گاہ سرد　　مثل کمان خمیدہ کمر گیسوؤں پہ گرد
دیکھی جو کوئی لاش تو گھبرا کے گر پڑے
جلدی کبھی چلے کبھی غش کھا کے گر پڑے

۔ حضرت عباسؑ نہر کے پاس پہونچتے ہیں۔ کئی دن کا پیاسا گھوڑا پانی دیکھکر بیتاب ہوتا ہے حضرت عباسؑ اس کو پانی پینے سے روکتے ہیں۔ اس کشمکش کے موقع پر گھوڑے کی اضطرابی حالت یوں بیان ہوتی ہے :۔

دو دن سے بے زبان پہ جو تھا آب و دانہ بند　　دریا کو منہنا کے لگا دیکھنے سمند
ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند　　چمکارتے تھے حضرت عباسؑ ارجمند
تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منھ سوار کا

۔ رفقائے امام علیہ السلام صف نماز سے لڑائی کے لیے اُٹھتے ہیں۔

تیار جان دینے پہ چھوٹے بڑے ہوئے　　تلواریں ٹیک ٹیک کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے

۔ بالی سکینہ۔ فاقوں سے کمزور سکینہ دمشق کے قیدخانہ کے دربانوں سے اپنا حال زار کہنے جاتی ہیں :۔

بولا نہ جب کوئی تو ہوا غم زیادہ تر　　دیوار پکڑے پکڑے گئی وہ قریب در
بیٹ کو ہلا ہلا کے پکاری وہ نوحہ گر　　دربانو! جاگتے ہو کہ سوتے ہو بے خبر
بیکس ہوں تشنہ لب ہوں فلک کی ستائی ہوں

کچھ تم سے اپنا حال میں کہنے کو آئی ہوں

جب دربان بھی حضرت امام کا مفصل احوال نہیں بتلاتے اور خون میں ڈوبا ہوا خنجر دکھلاتے ہیں تو سکینہ اپنی ماں سے شکایت کرتی ہیں۔

کہتے ہیں باپ کو پوچھا تو تجھے ماریں گے　　کیا میں بن باپ کی ہوں یہ جو مجھے ماریں گے

— اصغر شیرخوار کی لاش دفن کر کے حضرت امام زمین قبر سے خطاب کرتے ہیں :—

پہلے پہل بچھڑتا ہے یہ ماں کے کنار سے　　واقف نہیں ہے گور کی شب ہائے تار سے
اے قبر ہوشیار مرے گل عذار سے　　گردن چھدی ہوئی ہے بچانا فشار سے
سید ہے لال حضرت خیر النسا کا ہے
معصوم ہے شہید ہے بندہ خدا کا ہے

— ابنائے زمانہ کی شکایت —

ہر دم رہے انیس زباں پر خدا خدا　　بحر جہاں میں کون کسی کا ہے آشنا
دلداری و محبت و دلجوئی و وفا　　معدوم ہیں بصورت عنقا و کیمیا
گستاخ ہو کے عرض کیا ہے معاف ہو
ہم نے تو ایک دل بھی نہ پایا جو صاف ہو

— حضرت مسلم کوفہ میں شہید ہوئے۔ اُن کے بچوں کی تباہی اور اسیری کی داستان ایسے دردناک الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ واقعہ نگاری کا خاتمہ کر دیا۔ میر صاحب کا اصلی جوہر اسی قسم کے کلام میں ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا یہیں کسی قدر تفصیل سے نقل کیا جاتا ہے۔ یہ اقتباس اُس مرثیہ سے ہے جسکا مطلع یہ ہے :—

ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں
راحت نہیں ملتی کوئی دم آٹھ پہر میں

یہ کلام میر صاحب کی متوسط عمر کا ہے۔

جب قتل ہوا ایلچیِ سیّد والا بچون پہ عجب حادثہ تقدیر نے ڈالا
کوئی نہ یتیمون کا رہا پوچھنے والا تھے ننھے سے سینوئین کلیجے تہ و بالا
گیسو بھی پریشان تھے کرتے بھی پھٹے تھے
خورشید سے منھ گرد یتیمی سے اٹے تھے

پردیس مین معصومون کا دشمن تھا زمانہ نہ بیٹھنے کی جا تھی نہ رہنے کا ٹھکانا
بن باپ کئی روز سے کھایا نہ تھا کھانا تقدیر مین غم کھانا تھا یا اشک بہانا
سہمے ہوئے آپس مین یہی کہتے تھے روکر
ساتھ آئے تھے افسوس چلے باپ کو کھوکر

پاس اُن کے اگر ہوتے تو کچھ کام بھی آتے ہم بنتے نشانہ جو لعین تیر لگاتے
پانی تو بھلا منھ مین دم مرگ چوآتے کاندھون پہ پدر باپ کے لاشے کو اُٹھاتے
کیا جانیے مرنے پہ بھی کیا رنج و محن ہے
گاڑے بھی گئے یا ابھی بے گور و کفن ہین

مظلوم کی تربت کا پتا اب بھی جو پائین رخصت کے لیے قبر پہ روتے ہوئے جائین
تعویذ مزار پدر آنکھون سے لگائین سر پیٹ کے فریاد کرین اشک بہائین
پالا تھا ہمین باپ نے چھاتی پہ سُلاکر
قرآن بھی ہم پڑھ نہ سکے قبر پہ جاکر

اک ایک لعین کوفہ مین دشمن ہے ہمارا اک دوست تھا بانی سو وہ دنیا سے سدھارا
بیٹھین کہین آپ کہ نہین اتنا بھی سہارا غربت مین ہمین باپ کے مرجانے نے مارا
اک دم مین یقین ہے کہ تہ تیغ یہ سر ہین
جب دوست نہ بابا کا بچا ہم تو پسر ہین

یہ کہتے تھے اور روتے تھے وہ بےجگر پدر ہین تصویر اجل پھرتی تھی دونون کی نظر مین

تھا شور منادی کا یہ ہر راہ گذر مین — بیٹون کو نہ مسلمؑ کے چھپائے کوئی گھر مین
بتلا دے کسی حجرے مین گر بند ہین دونون
حاکم کے گنہگار کے فرزند ہین دونون

معصوم سمجھ کر کوئی رحم اُنپہ نہ کھائے — ہاتھ آئین تو پکڑے ہوئے دربار مین لائے
مجرم کی کوئی منت وزاری پہ نہ جائے — دانا ہے وہ جو گوہر عزت کو بچائے
جس نے اُنھین پنہان کیا گھر اُس کا لُٹے گا
مرجائے گا پر قید سے زندہ نہ چھٹے گا

تھراتے تھے سب سن کے منادی کا یہ مذکور — تھے شہر کے دروازے سر شام سے معمور
دشمن جو علیؑ کے تھے وہ تھے خرم و مسرور — جو دوست تھے حیدر کے وہ تھے عاجز و مجبور
باتین اُنھین معصومون کی ہوتی تھین گھرون مین
منہ ڈھانپے ہوئے بیبیان روتی تھین گھرون مین

کہتی تھی کوئی کیا کرین کیونکر اُنھین پائین — جاسوسون کا خطرہ ہے کہان ڈھونڈھنے جائین
جلادون سے چھپ کر وہ اگر یان چلے آئین — ہم دل کی طرح اُن کو کلیجون مین چھپائین
آقا ہین وہ اُسکے جو غلام شہ دین ہے
ہم لونڈیان حاضر ہین جو مان سر پہ نہین ہے

کیا روز سیہ چرخ نے بچون کو دکھایا — ہے ہے نہ چچا سر پہ نہ ہے باپ کا سایا
سات آٹھ برس کا تو سن اور دیس پرایا — جانین نہ بچین گی کسی دشمن نے جو پایا
کچھ بس نہین کس طرح کوئی آہ بچائے
بچو تمھین پردیس مین اللہ بچائے

شیعون کے گھرون مین تو یہ تھی گریہ وزاری — اور ڈھونڈتے پھرتے تھے انھین کوفہ مین ناری
ناکے پہ لعین کہہ گئے آکر کئی باری — ہشیار خبردار اگر جان ہے پیاری

احکام ہین حاکم کے خلل آنے نہ پائے
ناکے سے کوئی چھپ کے نکل جانے نہ پائے

دو طفل حسین بھاگے ہین کل قاضی کے گھر سے — کر لیجو گرفتار جو آنکلین ادھر سے
خورشید سے ماتھے ہین تو چہرے ہین قمر سے — چھوٹے سے عمامے ہین لپیٹے ہوے سر سے
گوندھی ہوئی زلفین ہین سر دوش پڑی ہین
آنکھین کہین آہو کی بھی آنکھون سے بڑی ہین

ہر ناکے پہ تھا حکم یہ اُن دونون کی خاطر — دربار مین غل تھا کہ کرو جلد اُنھین حاضر
اور پھرتے تھے حیران وہ مدینہ کے مسافر — کوئی نہ مددگار نہ تھا حافظ و ناصر
پھرتی تھی اجل ساتھ جدھر جاتے تھے دونون
پتا بھی کھڑکتا تھا تو ڈر جاتے تھے دونون

ناکے تلک آپہونچے نہ تھے وہ جگر افگار — جو دیکھ لیا اُن کو کسی شخص نے اک بار
چلّایا کہ بس آگے قدم رکھیو نہ زنہار — جاتے ہو کہان بھاگے ہم آپہونچے خبردار
سنتے ہی اس آواز کو گھبرا گئے دونون
سر تا بقدم بید سے تھرّا گئے دونون

بھائی سے کہا بھائی نے اب کیا کرین بھائی — اعدا ہمین لینے نہین آئے - اجل آئی
افسوس کہین امن کی جا ہم نے نہ پائی — مشکل ہے بہت موت کے پنجہ سے رہائی
آتے ہی بس اب برچھیان تانین گے ستمگر
منت بھی کرین گے تو نہ مانین گے ستمگر

یہ کہتے تھے جو آن ہی پہونچے وہ جفا جو — اور باندھ لیے رسّی سے اُن دونون کے بازو
بچون پہ اُٹھاتا تھا طمانچہ کوئی بدخو — کہتا تھا کوئی لے چلو کھینچے ہوئے گیسو
وہ کہتے تھے ہم دام بلا مین تو پھنسے ہین

بازو کہو پھر کس لیے رسّی سے کسے ہین

جاتے تھے جو روتے ہوئے وہ گیسوؤن والے   بازار مین بیٹھے تھے سب دیکھنے والے
جلّادون مین معصومون کے تھے جان کے لالے   تکتے تھے ہر اک کو کہ ہمین کوئی چھڑا لے

حال اپنا اشارے سے جتاتے تھے کسی کو
رسّی مین بندھے ہاتھ دکھاتے تھے کسی کو

پہونچے اُنھین لیکر جو وہ ظالم سرِ دربار   خدّام نے کی عرض کہ حاضر ہین گنہگار
تھا تخت مرصّع پہ مکین حاکمِ غدّار   دہشت سے لرزنے لگے بچون کے تنِ زار

بیٹھے ہوئے وان کرسیون پر چھوٹے بڑے تھے
رسّی سے بندھے سامنے معصوم کھڑے تھے

معصومون سے یون کہنے لگا حاکمِ ملعون   اس بھاگنے کی تمکو کہو کیا ہین سزا دون
صدمہ سے یتیمون کا ہوا حال دگرگون   تھرّا کے وہ یہ کہنے لگے بیکس و محزون

ہان قتل ہی کرنے کے سزاوار ہین ہم بھی
بابا تھے گنہگار ہین ہم بھی

بولا کوئی معصوم ہین یہ بیکس و دلگیر   دہشت کے سبب کانپتے ہین رنگ ہین تغیر
یہ پھول سے اندام نہین لائقِ تعزیر   نادان ہین کمسن ہین کچھ انکی نہین تقصیر

طاقت ہے کہان بھاگ کے جاتے یہ کدھر کو
بھولے ہین بہت ڈھونڈھتے ہونگے پدر کو

چپ رہگیا وہ دشمنِ دین سر کو جھکا کر   زندان کے نگہبان سے کہا پاس بلا کر
کر قید انھین حجرۂ تاریک مین جا کر   سنیو نہ جو منت بھی کرین اشک بہا کر

آرام سے دونون مین کوئی سونے نہ پائے
قفلِ درِ زندان کبھی وا ہونے نہ پائے

دیکھو نہ خبردار مزے کا انھین کھانا   گرمی مین بھی ٹھنڈا نہ انھین پانی پلانا
یہ سحر بیان ہین کہین باتون پہ نہ جانا   بازو نہ کھلین رسّی سے جب تک ہین توانا
دشمن کے ہین فرزند اذیّت انھین دیجو
کپڑے بھی بدلنے کی نہ فرصت انھین دیجو

یہ سُن کے اُنھین لیگیا زندان کا نگہبان   اک حجرے مین قیدی ہوے دونون مہِ تابان
گھٹنے جو لگا دم تو یہ چلاّئے وہ نادان   در کھول دو وﷲ نہین تن سے چلی جان
بھاگین گے نہ ہرگز ہمین حجرے سے نکالو
اک طوق جو ہلکا ہو تو دو طوق پنھا دو

دروازے سے ٹکرائے بہت سر کو وہ ناشاد   مادر کو بھی چلاّئے پدر کو بھی کیا یاد
بچون کی کسی نے نہ سنی زاری و فریاد   کب کھولتے ہین طائرِ پربستہ کو صیّاد
بیتاب تھے اس طرح وہ چھٹنے کی ہوس مین
جون تازہ گرفتار پھڑکتا ہے قفس مین

تاریک وہ حجرہ تھا مثالِ شبِ ظلمات   معلوم نہ ہوتا تھا کہ کب دن ہوا کب رات
مرقد کے اندھیرے کو بھی اُس گھر نے کیا مات   سہمے ہوے روتے تھے وہ آنکھون پہ دھرے ہات
تھی پیشِ نظر وصل مین تنہائی کی صورت
بھائی کو نہ آتی تھی نظر بھائی کی صورت

فاقے مین بسر کرتے تھے دن بھر وہ گل اندام   جو مالکِ زندان تھا وہ آتا تھا سرِ شام
جا بیٹھتے دروازہ کے نزدیک وہ گلفام   دیتا اُنھین دو روٹیان اور پانی کے دو جام
تھا خوف زبس ظالمِ اظلم کے غضب سے
اُٹھ اُٹھ کے سلام اُسکو وہ کرتے تھے ادب سے

کھانا وہ کہان اور کہان نازون کے وہ پالے   رو دیتے تھے جب حلق مین پھنستے تھے نوالے

آپس مین یہی کہتے تھے وہ گیسوون والے — قسمت کبھی دشمن پہ بھی یہ وقت نہ ڈالے
پانی بھی تو جی بھر کے نہین ملتا ہے بھائی
یہ سخت ہے روٹی کہ گلا چھلتا ہے بھائی

سمجھاتا تھا چھوٹے کو بڑا بھائی یہ رو کر — جاگہ نہین شکوے کی کرو صبر برادر
دیکھو تو کہ سر پہ ہے پدر اور نہ مادر — تھوڑا ہے کہ یہ بھی ہمین ہوتا ہے میسّر
نعمت سے زیادہ ہمین یہ نانِ جوین ہے
منہ اپنا تو اس کھانے کے قابل بھی نہین ہے

ایسے بھی بہت ہین جنھین ملتا نہین دانا — پینے کو جو پانی ہو تو ملتا نہین کھانا
بھائی ہے خدا مالک و مختار و توانا — کچھ ایک سا رہتا نہین دنیا مین زمانا
موت آئی تو اس قید مین مر جائینگے بھائی
جیتے ہین تو یہ دن بھی گذر جائین گے بھائی

رزّاقیِ معبودِ حقیقی پہ کرو غور — اس قید مین تھا رزق پہونچنے کا کوئی طور
دینداری سے جو دور ہین اُن لوگون کا ہے دَور — ہم اور مکان اور زمین اور ہوا اور
ہین قید مین جسکی وہی دیجاتا ہے کھانا
ہر طرح خدا بندے کو پہونچاتا ہے کھانا

زندان مین بھی بھوکا نہ کبھی سبکو سلایا — دن بھر جو میسّر نہ ہوا رات کو کھایا
خاصانِ خدا نے بھی سدا رنج اُٹھایا — دکھ فاقہ کشی کا تو ہے میراث مین آیا
عسرت رہی دنیا مین شہِ عقدہ کشا کو
فاقے تو گذر جاتے تھے محبوبِ خدا کو

یہ قید کے دن شکرِ الٰہی مین گذارو — جو مرضیِ معبود ہے دم اس مین نہ مارو
صابر رہو شاکر رہو ہمت کو نہ ہارو — روٹی جو پھنسے پانی کے گھونٹون سے اُتارو

رزاق دو عالم کی عنایت اسے سمجھو
گر صبر کی لذت ہو تو نعمت اسے سمجھو

تقلیل غذا قید کا دکھ باپ کا ماتم — گھل گھل کے برسوں میں عجب ہو گیا عالم
چھوٹا بھی کہتا تھا بڑے بھائی سے ہردم — فریاد رسی کون کرے کس سے کہیں ہم
افسوس یونہی عمر چلی جاتی ہے بھائی
نہ قید سے چھٹتے ہیں نہ موت آتی ہے بھائی

پہونچا دیا اس غم نے ہمیں گور کنارے — مٹی نہ وطن کی تھی نصیبوں میں ہمارے
جیتے ہیں مگر موت کے آثار ہیں سارے — مرجائیں تو مرقد میں ہمیں کون اُتارے
ہم سا بھی کوئی بیکس و مظلوم نہوگا
مرنا بھی کسی شخص کو معلوم نہوگا

کس طرح کہیں بھول گئی ہوئینگی مادر — سب بیٹوں سے اپنے اُنھیں الفت ہے برابر
کیا جانے کس آفت میں ہے فرزند پیمبر — وہ قید سے غیروں کو چھڑا دیتے ہیں اکثر
سنتے تو مدد آن کے بھائی کی نہ کرتے
تدبیر وہ بچوں کی رہائی کی نہ کرتے

یہ کہتے تھے جو وا ہوا قفل در زندان — اور دینے لگا آب و غذا اُن کو نگہبان
چھوٹے نے کھڑے ہو کے کہا باتنِ لرزان — ہم تجھکو دعا دیتے ہیں اے مرد مسلمان
پینے کو نہ پانی نہ غذا چاہتے ہیں ہم
کچھ حال جو سنیے تو کہا چاہتے ہیں ہم

جو تو نے دیا شکر کیا اور وہی کھایا — جی بھر کے اگر پانی نہ پایا تو نہ پایا
بھڑکی جو بہت پیاس تو اشکوں سے بجھایا — شکوے کا مگر حرف زبان پر نہیں آیا
واقف ہے کہ کھانا کبھی دن بھر نہیں مانگا

سونے کے لیے رات کو بستر نہین مانگا
گذرا ہے برس روز ہین خاک پہ سوتے — پانی نہ ملا اتنا کہ ہم تن کو تو دھوتے
چلّا کے ترے ڈر سے نہین رات کو روتے — قیدی چھٹے اکثر یہ رہا ہم نہین ہوتے
ہم سے ترا سردار عبث برسرِ کین ہے
کچھ جرم نہین ہے کوئی تقصیر نہین ہے

تو رحم کر اے شخص کہ بے جرم و خطا ہین — وارث کوئی سر پر نہین پابندِ بلا ہین
لڑکے ہین ستم کش ہین غریب الغربا ہین — احسان کو نہ بھولین گے کہ ہم اہلِ وفا ہین
اب قید کی تکلیف اُٹھائی نہین جاتی
روٹی بھی کئی روز سے کھائی نہین جاتی

رکھتا ہے بڑا اجر اسیرون کو چھڑانا — بھوکون کو طلب کر کے سخی دیتے ہین کھانا
رہجاتا ہے عالم مین کریمون کا فسانا — نیکی جو کرے نیک اُسے کہتا ہے زمانا
محتاج ہین یان اور تو کیا دیوین گے تجھکو
کام آ جو ہمارے تو دعا دیوین گے تجھکو

دونون نے فصاحت سے سخن جب یہ سنائے — زندان کے نگہبان کے بھی آنسو نکل آئے
ہاتھ اُسکی دعا کے لیے دونون نے اُٹھائے — پایا متوجہ تو سخن لب پہ یہ لائے
کچھ رتبۂ محبوبِ خدا جانتا ہے تو
اے شخص محمد کو بھی پہچانتا ہے تو

وہ کہنے لگا اُن سے مین کیونکر نہین آگاہ — مختارِ جہان ختمِ رسل سیدِ ذی جاہ
لڑکون نے کہا حیدرِ صفدر سے بھی ہے راہ — بولا مری تسبیح ہے نامِ اسداللہ
نائب ہے مددگار ہے یاور ہے نبی کا
حیدر تو چچا زاد برادر ہے نبی کا

یہ سنتے ہی جان آگئی ان دونوں کے تن میں　　کم ہو گیا دہشت سے جو لرزہ تھا بدن میں
خشکیدہ زبان کرنے لگی شکر دہن میں　　گویا کہ بہار آگئی ہستی کے چمن میں
حجرے سے خوشی ہو کے وہ مہرو نکل آئے
اک بھائی ہنسا ایک کے آنسو نکل آئے

بولے کہ ہم اے شخص محمدؐ کے جگر ہیں　　جھوٹے نہیں دریائے صداقت کے گہر ہیں
جو قتل ہوئے یاں وہ ہمارے ہی پدر ہیں　　واللہ ہمیں مسلم بیکس کے پسر ہیں
تو کہتا ہے احمدؐ کو پیمبر ہے ہمارا
جو گھر ہے محمدؐ کا وہی گھر ہے ہمارا

یہ سنتے ہی تھرّا گیا وہ مرد خوش اطوار　　معصوموں کے قدموں پہ گرا دوڑ کے اک بار
کہتا تھا میں اس حال سے واقف نہ تھا زنہار　　بخشو مجھے میں نے تمہیں گھر کا تھا کئی بار
جو آپ کے لائق تھا وہ لایا نہیں کھانا
سچ ہے کہ مزے کا کبھی کھایا نہیں کھانا

میں تم پہ فدا اے اسد اللہ کے پیارو　　کرتے میں نئے لاؤں یہ ملبوس اُتارو
بندہ میں تمہارا ہوں مجھے قدموں پہ وارو　　لو زادِ سفر مجھ سے جدھر چاہو سدھارو
شکوہ مرا اللہ و پیمبر سے نہ کیجو
جنت میں شکایت مری حیدر سے نہ کیجو

قدموں سے اُٹھا کر وہ سخن لب پہ یہ لائے　　تو خالق اکبر سے جزا حشر میں پائے
دنیا کی ہر آفت سے خدا تجھ کو بچائے　　حامی ہوں تری فاطمہؑ جب حشر میں جائے
واقف نہیں ہم راہ بتا دے تو رواں ہوں
بھائی ترے نیچے ترے سایہ میں جواں ہوں

دینے لگا رو کر انھیں وہ درہم و دینار　　شرما کے یہ کہنے لگے وہ بیکس و ناچار

احسان یہ تراتھوڑا ہے اے مرد خوش اطوار　　توشہ ہے توکل ہمین کچھ بھی نہین درکار
بتلا دے پتہ ہم کو جگر بند نبی کا
لشکر ہے کہان سبط رسول عربی کا

کعبے سے ادھر بھیجا تھا بابا کو ہمارے　　یا ان آن کے ہم قید ہوے وہ گئے مارے
ساتھ اُنکے تھے سب حیدر کرار کے پیارے　　تکتے ہین ابھی ہین کہ کہین دور سدھارے
کے راتین ہمین کاٹنی ہو وینگی وطن تک
کے روز مین پہونچین گے شہنشاہ زمن تک

حضرت کی خبر کچھ جو سنی ہو تو سنا دے　　جو راہ کہ نزدیک ہو وہ ہمسکو بتا دے
جس سمت چچا ہون اُسی رستے پہ لگا دے　　کیا دور ہے خالق ہمین بچھڑون سے ملا دے
مطلوب زیارت ہے ہمین شاہ زمن کی
کعبے کی طرف جائین کہ لین راہ وطن کی

چاہا بہت اُس نے کہ یہ بچون سے چھپائے　　مظلوم کا جو ذکر تھا آنسو نکل آئے
گھبرا کے وہ معصوم سخن لب پہ یہ لائے　　کیون خیر تو ہے آنکھون سے کیون اشک بہائے
وہ کہنے لگا بے کس و مجبور ہین شبیرؑ
تم جا نہین سکتے کہ بہت دور ہین شبیرؑ

جب رونے لگے وہ تو کچھ اُس کو نہ بن آیا　　سر پیٹ کے ہاتھون سے یہ بچون کو سنایا
دنیا مین کہان ہے اسد اللہ کا جایا　　گھر فاطمہؑ کا خاک مین اعدا نے ملایا
شبیرؑ کے لشکر کا جوان کوئی نہین ہے
عابد کے سوا فاتحہ خوان کوئی نہین ہے

عاشور کے دن ذبح ہوئے سبط پیمبر　　خیمے بھی جلا لے گئے تاراج ہوا گھر
رانڈون کا ستمگارون نے لوٹا زر و زیور　　افسوس کہ زینبؑ کی بھی چھینی گئی چادر

دیکھا حرمِ شاہ نے دربار شقی کا
کوفہ مین سر آیا تھا حسینؑ ابن علیؑ کا

دنیا مین نہ اکبرؑ ہین نہ عباسؑ نہ شبیرؑ سب چھوٹے بڑے ہوگئے زیر دم شمشیر
یان تک کہ ہوے قتل علی اصغرؑ بے شیر مٹی مین نہان ہوگئی ایک ایک کی تصویر
کیونکر اسدُ اللہ کے پیارون سے ملوگے
اب جا کے ملوگے تو مزارون سے ملوگے

یہ سنتے ہی معصومون پہ رقت ہوئی طاری تڑپے یہ زمین پر کہ غش آیا کئی باری
گھبرا کے وہ بولا نہ کرو گریہ و زاری دشمن کوئی سن لیوے نہ آواز تمھاری
ظالم ہے وہ حاکم سے نہین زور کسی کا
یان ڈھونڈھ کے خون کرتے ہین فرزند علیؑ کا

گھبرا کے وہ بولا کہ مناسب نہین تاخیر بہتر ہے اسی شب مین نکل جانے کی تدبیر
جلدی سے اُٹھے وان سے وہ باحالت تغیر باندھین کمرین اور وہ بچے ہوئے رہگیر
یون نکلے بہ تعجیل اسیری کے محن سے
جس طرح گریزان ہو قمر چھُٹ کے گہن سے

وہ شہر پر آشوب وہ غربت وہ شب تار ایک ایک قدم خوف نہ رہبر نہ مددگار
مہلان جاگتے رہیو یہ عسس کہتے تھے ہر بار دل اُنکے دھڑکتے تھے لرزتے تھے تنِ زار
پیچھے کبھی ہٹ جاتے تھے گہ بڑھتے تھے دونون
ڈر ڈر کے کبھی نادِ علی پڑھتے تھے دونون

پھرتے رہے قسمت نے نہ کی راہ نمائی رستہ نہ ملا جانے کا اور نصف شب آئی
چھوٹے نے کہا چلنے کی طاقت جو نہ پائی اب تو ہمین نیند آتی ہے ٹھہرو کہین بھائی
کہتا تھا بڑا ہین ابھی دن سخت ہمارے

سوئین گے جو بیدار ہوے بخت ہمارے

دم لیتے کبھی گاہ قدم جلد اُٹھاتے   سہمے ہوے مُڑ مُڑ کے کبھی دیکھتے جاتے
تنہائی پہ آنکھون سے کبھی اشک بہاتے   گر پڑتے کبھی اور کبھی ٹھوکرین کھاتے
چڑھ جاتے نقاہت سے جو دم ہانپنے لگتے
سایہ نظر آتا تو بدن کانپنے لگتے

لب پہ نفسِ سرد - بھرے آنکھون مین آنسو   غربت زدہ پھرتے تھے سراسیمہ وہ گلرو
تھا ہاتھ مین چھوٹے کے بڑے بھائی کا بازُو   دھڑکا تھا کہین گھیر نہ لین آکے جفا جو
چل سکتے تھے دونون نہ ٹھہر سکتے تھے دونون
گھبرائے ہوے چارون طرف تکتے تھے دونون

ایک پیرزن اتنے مین نظر آگئی ناگاہ   داماد کے آنے کی گھڑی دیکھتی تھی راہ
یون کہنے لگے اُس سے بصد عجز وہ ذی جاہ   اک دو پہر اس گھر مین امان دے ہمین للّٰہ
معصوم ہین ہم بے وطن و زار و حزین ہین
مظلوم ہین سیّد ہین گنہگار نہین ہین

اس بستی مین دیندار نظر آئے ہمین تو   وہ بولی کہ تم دونون ہو کس باغ کے گل رُو
تم سے تو عجب طرح کی آتی ہے مجھے خوشبو   کہنے لگے تب چپکے سے وہ دیکھ کے ہر سو
رکھتے ہین قرابت تو رسول عربی سے
مسلمؑ کے پسر ہین ہمین کہیو نہ کسی سے

وہ بولی کہ آنکھون پہ رکھون تمکو مین دن رات   پر صاحب خانہ ہے بڑا فاسق و بدذات
حاکم کا تو وہ دوست ہے اور دشمن سادات   گر دیکھ لیا اُس نے تو بننے کی نہین بات
لونڈی ہون مین زہرا کی تمھارا ہی یہ گھر ہے
گر ہے تو اُسی ظالم بدذات کا ڈر ہے

وہ بولے کہ خالق کرے رتبہ ترا عالی ۔ واقف نہیں ہم راہ سے اور رات ہے کالی
درکار ہے نہ فرش نہ تکیہ نہ نہالی ۔ تو ہم کو چھپا رکھ کوئی حجرہ جو ہو خالی
بن باپ کے ہیں ہم پہ مصیبت یہ نئی ہے
شاید وہ نہ آئے کہ بہت رات گئی ہے

دونوں نے یہ منت جو کہا اُس سے بہ پُر درد ۔ تھی مومنہ معصوموں پہ رحم آگیا اُسکو
کہنے لگی میں تمکو چھپا رکھوں گی کچھ ہو ۔ میں صدقے گئی آؤ مری بی بی کے پیارو
مہمان ہوئے جا کے ستم ایجاد کے گھر میں
دونوں کو اجل لے گئی جلاد کے گھر میں

جنگ کربلا کا سب سے زیادہ درد انگیز سین وہ ہے کہ حضرت امام اپنے شش ماہہ بچہ کو جو پیاس سے نیم جان ہو رہا تھا خیمہ سے لاتے ہیں اور اتمام حجت کے لیے دشمنوں سے پانی طلب کرتے ہیں۔ اس واقعہ کو مرزا دبیر نے بھی نہایت بلاغت سے بیان فرمایا ہے مگر میر صاحب کی زبان میں لطافت ہی اور ہے ۔

شہادت حضرت علی اصغر

بچے کو لیے گھر سے جو نکلے شہ والا ۱ تھی دھوپ میں تیزی کہ ہرن ہوتا تھا کالا
بکلا تھا کبھی گھر سے نہ وہ ہنسلیوں والا ۔ داماں عبا چہرۂ فرزند پہ ڈالا
دیتا تھا تو چھاتی سے لگا لیتے تھے شبیرؑ
ہر گام پہ دامن سے ہوا دیتے تھے شبیرؑ

یوں کہنے لگے دیکھ کے آپس میں ستمگر ۲ یہ کیا ہے جو ہاتھوں پہ لیے ہیں شہ صفدر
بولا کوئی ہے زیر عبا مصحف داور ۔ تا صلح کریں ہم سے اُسے بیچ میں دیکر
معلوم ہوا جنگ سے گھبراتے ہیں شبیرؑ
قرآن کو شفاعت کے لیے لاتے ہیں شبیرؑ

بولا کوئی بیدرد نہین یہ نہین اصلا ۳ ہے صابر و شاکر پسر حضرت زہراؑ
سادات پہ اس دشت مین ہے تیسرا فاقا بیجان ہوا ہوگا کسی سیدانی کا بچا
اشک آنکھون مین ہین چاک گریبان کیے ہین
میّت کسی معصوم کی شبیرؑ لیے ہین
سنکر یہ کلام اُن کا پکارے ستم عادل ۴ تم تو نہ محمدؐ کے نہ قرآن کے ہو قائل
میّت ہے نہ قرآن ہے یہ فرقۂ جاہل! یہ مصحفِ ناطق کے گلے کی ہے حمائل
دیکھو مری مظلومی و اندوہ و قلق کو
لے آیا ہون زہراؑ کے صحیفے کے ورق کو
یہ چھوٹا سا سید بھی ہے مہمان تمھارا ۵ کیا تم کو ملیگا جو اسے پیاس نے مارا
یہ فرش کی زینت ہے تو ہے عرش کا تارا میرا بھی جگر بند ہے مان کا بھی ہے پیارا
کچھ پانی کے بدلے تمھین لینا ہو تو کہدو
دریا سے جو قطرہ کوئی دینا ہو تو کہدو
طالب ہو اگر زر کے تو زر لیجیو مجھ سے ۶ قطرے کے عوض لعل و گہر لیجیو مجھ سے
پانی دو اسے خلد مین گھر لیجیو مجھ سے خالی ہو اگر نہر تو بھر لیجیو مجھ سے
معصوم ہے بے آب کبھی جی نہ سکے گا
ایک جام تو یہ تشنہ دہن پی نہ سکے گا
مارا جنھین برچھی سے اُنھین کا ہے یہ بھائی ۷ اٹھارہ برس کے تھے وہ جن کی اجل آئی
یہ لال ہے میرا یہی بیٹے کی کمائی مرجائیگی مان گر ہوئی اس سے بھی جدائی
بہنون کی یہ ہے جان تو پھپھیون کا جگر ہے
مرجانے مین اسکے کئی جانون کا ضرر ہے
مین یہ نہین کہتا ہون کہ پانی مجھے لادو ۸ خود تم ہی اسے آن کے چلّو سے پلادو

مرتا ہے یہ مرتے ہوئے بچے کو جلا دو ۔ للّٰہ کلیجے کی مرے آگ بجھا دو
جب منہ مرا تکتا ہے یہ حسرت کی نظر سے
اے ظالمو اُٹھتا ہے دھواں میرے جگر سے

۹ بجھتی نہیں جب آگ کلیجے میں لگی ہو ۔ جانے وہی ۔ اولاد خدا نے جسے دی ہو
سوچے وہ قضا جسکے جگر بند نے کی ہو ۔ انصاف کرے دل پہ چھری جسکے چلی ہو
غمگین ہو تو سوزِ نفسِ سرد کو سمجھے
جس دل میں نہو درد وہ کیا درد کو سمجھے

۱۰ اولاد کی فرقت کوئی پوچھے مرے جی سے ۔ بیٹے کی محبت کوئی پوچھے مرے جی سے
یہ دکھ یہ مصیبت کوئی پوچھے مرے جی سے ۔ اس درد کی لذت کوئی پوچھے مرے جی سے
ایک یادِ الٰہی تو فراموش نہیں ہے
یہ جوش ہے غم کا کہ مجھے ہوش نہیں ہے

۱۱ میں خوب سمجھتا ہوں کہ ہو ظلم کے بانی ۔ یہ کیا ہے کہ پھر تم سے طلب کرتا ہوں پانی
جان اپنی میں دیتا ہوں جو بچ جائے یہ جانی ۔ مر جاؤں میں پر اسکی مٹے تشنہ دہانی
جب سوئے عدم خلق سے منہ موڑ کے جاؤں
حسرت ہے کہ پیاسا میں اسے چھوڑ کے جاؤں

۱۲ یہ کہکے اُٹھایا رُخِ بے شیر سے دامن ۔ چہرے کی تجلی سے جہان ہو گیا روشن
دیکھی جو نہی وہ چاند سی ڈھلتی ہوئی گردن ۔ کیا ذکر بھلا دوست کا رونے لگے دشمن
ہر چند کہ سب ظالم و جلّاد تھے اُن میں
تھرّا گئے جو صاحب اولاد تھے اُن میں

کی آہ کسی نے کوئی منہ پھیر کے رویا ۔ دامن کسی جلّاد نے اشکوں سے بھگویا
ہر شخص کے ایک تیر لگا قلب پہ گویا ۔ بولا کوئی ایمان بھی گیا دین بھی کھویا

یون پھول کوئی دھوپ مین مُرجھا نہین جاتا
بچے کا یہ عالم ہے کہ دیکھا نہین جاتا

بولا کوئی کیا پانی کے دینے مین ضرر ہے ۱۴ معصوم ہے مظلوم ہے اور تشنہ جگر ہے
بولا کوئی بچپن ہے ترا دھیان کدھر ہے دشمن سمجھ اس کو کہ یہ دشمن کا پسر ہے
بچپا ئیگا کل آج جو پانی اسے دیگا
یہ طفل جوان ہو کے عوض باپ کا لیگا

تب شمر پکارا کہ ہمین رحم نہین ہے ۱۵ یہ غنچہ دہن کیا علی اکبر سے حسین ہے
حضرت نے کہا یہ تو مرے دل کو یقین ہے اس فوج مین ایک ایک شقی دشمنِ دین ہے
بے صبر نہین گو کہ گرفتارِ قلق ہون
حجت نہ رہے کوئی کہ مین حجتِ حق ہون

یہ سن کے بڑھا صف سے بن کاہل بے پیر ۱۶ پیاسے علی اصغرؑ کے ہوئی قتل کی تدبیر
جوڑا ستم ایجاد نے چلّے مین اُدھر تیر چھاتی تلے بچے کو چھپانے لگے شبیرؑ
چلاتے تھے بہم کہ یہ کیا کرتا ہے ظالم
بچے کو جو تاکا تو خطا کرتا ہے ظالم

کب سنتا تھا فریاد کسی کی ستم آرا ۱۷ ایک تیرِ ستم تاک کے معصوم کو مارا
ڈھلکی ہوئی گردن پہ لگا تیر قضارا بس چونک پڑا سہم کے وہ باپ کا پیارا
اشک آنکھون سے شبنم کی طرح رخ پہ ڈھل آئے
ننھے سے انگوٹھے بھی دہن سے نکل آئے

گھبرا کے سری کو جو لگے کھینچنے سرور ۱۸ سب خون سے کرتا بھی ہوا شلوکا بھی ہوا تر
تھرانے لگے ننھے سے وہ بازو سے اوپر ڈھیلے ہوئے ہاتھون سے کڑے پھر گئے تیور
بیتابی مین شہ بیٹھ گئے خاک پہ ہٹ کر وہ غنچہ دہن مر گیا بابا سے لپٹ کر

بیٹے بھتیجے بھانجے سب قتل ہو چکے۔ تشنہ کام معصوم بھی آغوشِ مبارک مین جامِ شہادت سے سیراب ہو چکا۔ اب صرف جناب حسینؑ تنہا باقی ہین اور آخری رخصت کو خیمہ مین تشریف لیجاتے ہین۔

رخصتِ حضرت امام حسینؑ

روتے ہوئے حرم مین گئے قبلۂ انام ۱ تر تھی لہو سے لختِ جگر کے قبا تمام
رخ زرد دل مین درد بدن سرد تشنہ کام طاقت نہ قلب مین نہ بدن مین لہو کا نام
یہ درد تھا بکا مین کہ دل ٹکڑے ہوتے ہین
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے ہین

پیارے نہ تھے حسین علیہ السلام کے ۲ لائے حرم سرا مین ہین ہاتھ تھام کے
تھرا رہے تھے پاؤن شہِ تشنہ کام کے سر دوش پر تھا زینبِ عالی مقام کے
فرماتے تھے "بہن علی اکبرؑ گذر گئے"
ہم ایسے سخت جان تھے کہ اب تک نہ مر گئے

سر بارِ دوش ہے تمہین رخصت کرو بہن اب عنقریب خیمۂ عصمت ہین تیغ زن
مردے پڑے ہوئے ہین عزیزون کے بے کفن پامال ہو نہ لاشۂ فرزند صف شکن
محجوب ہم ہین قاسمؑ بے پر کی روح سے
شرمندگی ہو علی اکبرؑ کی روح سے

یہ سن کے بیبیون کے جگر پر چھری چلی زینبؑ زمین پہ گر کے پکاری کہ یا علیؑ
سر خفی جہان کے ہین سب آپ پر جلی جاتا ہے سرکشون مین یہ کونین کا ولی
بے کس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا
آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیے تمہین خالق کی یاد سرّ و علن چاہیے تمہین

لب پر رضا رضا کا سخن چاہیے تمھیں   جو مان کا تھا چلن وہ چلن چاہیے تمھیں
ہر بار پوچھتے تھے سبب آہِ سرد کا
شکوہ کیا علیؑ سے نہ پہلو کے درد کا

یہ سچ کہ تم کو مجھ سے محبت ہے اے بہن ۶ کیا کیجے ناگزیر یہ فرقت ہے اے بہن
پیارے تمھارے بھائی کی رحلت ہے اے بہن   دنیا مقام رنج و مصیبت ہے اے بہن
بھولے نہ یادِ حق کبھی گو حال غیر ہو
اُس کی ظفر ہے خاتمہ جس کا بخیر ہو

دیکھا یہ کھلکے بالی سکینہؑ کو یاس سے ۷ لپٹی وہ دوڑ کر شہ گردوں اساس سے
طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے   بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے
کیا اس بلا کے بن سے تہیّہ سفر کا ہے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

فرمایا شہ نے ہاں سفر ناگزیر ہے ۸ آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہے
اب آرزوئے قربِ خدائے قدیر ہے   تنہا ہیں ہم سپاہِ مخالف کثیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو اعانت خدا کرے
جس کا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

سنکر مصیبت پدرِ بیکس و حزین ۹ بولی بلائیں باپ کی لیکر وہ مہ جبین
نکلو بلا کے بن سے کہیں یا امامِ دین   آقا سوا حضور کے میرا کوئی نہیں
صدقے گئی مدینے چلو یا نجف چلو
للہ ساتھ لو مجھے تم جس طرف چلو

شہ نے کہا کہ بند ہیں راہیں پدر نثار   پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوج نابکار
پیدل نکلنے پاتا ہے ناکون سے نہ سوار   اس دشت کین میں قید ہے احمد کا یادگار

قاصد جو میرے نام کا خط لیکے آتے ہین
سر کاٹ کر درختون مین لٹکائے جاتے ہین

جانا ہے دور شب کو جو آنا نہ ہوا ادھر ۱۱ ضد کرکے روئیو نہ ہمین چاہتی ہو گر
پہلے پہل ہے آج شب فرقت پدر سو رہیو مان کی چھاتی پہ غربت سے رکھکے سر
راحت کے دن گذر گئے یہ فصل اور ہے
اب یون بسر کرو جو یتیمون کا طور ہے

ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام ۱۲ بتلائیے مجھے کہ یتیمی ہے کس کا نام
آنکھون سے خون بہا کے یہ کہنے لگے امام کھل جائیگا یہ درد و الم تم پہ تا بہ شام
بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
مر جائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے

یہ کہکے پیاری بیٹی سے- دیکھا ادھر اُدھر ۱۳ پوچھا کدھر ہین بانوے ناشاد نوحہ گر
فضہ نے عرض کی کہ ادھر بیٹھی ہین سر رخصت کی بھی حضور کے اُن کو نہین خبر
لب پر گھڑی گھڑی علی اکبر کا نام ہے
چلیے ذرا کہ کام اب اُن کا تمام ہے

روتے ہوئے وہان جو گئے شاہ خوش خصال ۱۴ دیکھا کہ غش ہین خاک پہ بکھرے ہوئے ہین بال
شبیر بیٹھکر یہ پکارے بصد ملال اے شہربانو ہوش مین آؤ یہ کیا ہے حال
سچ ہے فلک نے تم کو بڑے دکھ دکھائے ہین
صاحب اُٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہین

سنکر صدا حسین کی چونکی وہ نوحہ گر ۱۵ کی عرض سر جھکا کے قدم پر بچشم تر
تنہا حضور آئے ہین باندھے ہوئے کمر صاحب کہان ہے ستون والا مرا پسر
ایسے نہین جو دکھ مین جدا ہون وہ باپ سے

اپنے مرادوں والے کو میں لونگی آپ سے

باتیں یہ سنکے کہنے لگے شاہ بحر و بر ۱۶ یارب جدا نہ ہو کسی ماں سے جوان پسر
بانو کسے بلاؤں کہاں ہے وہ سیم بر ہم شکل مصطفیٰ تو گئے فاطمہ کے گھر
ہر دکھ میں صبر کرتے ہیں جو حق شناس ہیں
جس نے تمھیں دیا تھا وہ اب اُسکے پاس ہیں

جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آگئی انھیں ۱۷ ہے ہے منافقوں کی نظر کھا گئی انھیں
محنی بہت کیا یہ اجل پا گئی انھیں صحرائے کربلا کی فضا بھا گئی انھیں
زندہ نہ ہوگا لال اگر مر بھی جاؤگی
اب تو کوئی گھڑی میں بہن بھی نہ پاؤگی

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دل فگار ۱۸ اے ابن فاطمہؑ یہ کنیز آپ کے نثار
بعد آپ کے جو لوٹنے آئیں ستم شعار بیٹھیں کہاں یہ بیکس و غمخوار سوگوار
کچھ حق میں اس کنیز کے فرما کے جائیے
صاحب کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جائیے

میں وہ ہوں جو کہ قید میں آئی تھی یا امام ۱۹ مشہور ہوں کنیز امام فلک مقام
پاس آپ کے ہے نانا کا اے قبلۂ انام گر قید ہوگئی تو کہیں گے یہ خاص و عام
بندی چلی ہے شام کو آل رسول کی
دیکھو یہی بہو ہے علیؑ و بتول کی

فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہے ذوالجلال ۲۰ زہرا کی بیٹیوں کی رہو تم شریک حال
زینب کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دونوں لال صاحب تمھارے ساتھ ہے عابد سا خوش خصال
بے وارثوں کا وارث و والی اِک اسے ہے
دیکھو ڈگے نہ پاؤں کہ مشکل کی راہ ہے

لو الوداع لاش پہ اب آ کے روئیو — لیکن نہ خاک اڑا کے نہ چلّا کے روئیو
زانو پہ سر کو شرم سے رکھ چھوڑ کے روئیو — قبر رسول پاک پہ ہاں جا کے روئیو
لٹنے میں صبر و شکر تباہی میں چاہیے
رونا بشر کو خوف الٰہی میں چاہیے

مناظر قدرت کی تصویر کشی میں میر صاحب کو وہ ید طولیٰ حاصل تھا کہ مولف المیزان (باوجود یکہ موازنۂ شبلی کا جواب لکھتے اور نشۂ الفت کلام دبیر سے سرشار ہیں) تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے کہ مناظر قدرت کی تصویر کشی میں میر انیس لاجواب شاعر تھے۔"

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

میر صاحب کبھی صبح کی دل آویزی بیان کرتے ہیں۔ کبھی رات کی تاریکی قندیلوں کی روشنی کا تذکرہ کرتے ہیں کبھی موسم کی گرمی۔ دھوپ کی تیزی۔ لو کی شدت۔ پیاس کی تکلیف کا نقشہ کھینچتے ہیں لیکن ہر جگہ اظہار جذبات میں صادق البیان ہیں۔ غم انگیز اشارے جو مرثیت کی جان ہیں ترک نہیں ہوتے اور مجلس ماتم کو محفل مشاعرہ نہیں بننے دیتے نمونہ ملاحظہ ہو:-

صبح

مرثیہ نمبر ۲

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح — گلزار شب خزاں ہوا آئی بہار صبح
کرنے لگا فلک زر انجم نثار صبح — سرگرم ذکر حق ہوئے طاعت گزار صبح
تھا چرخ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

چلنا وہ باد صبح کے جھونکوں کا دمبدم — مرغان باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تاب نہر وہ موجوں کا پیچ و خم — سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ نورِ صبح اور وہ صحرا وہ سبزہ زار ۳ تھے طایروں کے غول درختوں پہ بیشمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں ۴ تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤس آسماں
ذرّوں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

اوجِ زمیں سے پست تھا چرخِ زبرجدی ۵ کوسوں تھا سبزہ زار سے صحرا زمردی
ہر خشک و تر پہ تھا کرمِ بحرِ سرمدی بے آب تھے مگر دُرِ دریائے احمدی
روکے ہوئے تھی نہر کو امت رسول کی
سبزہ ہرا تھا خشک تھی کھیتی بتول کی

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد ۶ مخمل سی وہ گیاہ وہ گُل سبز و سُرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

تھا بسکہ روزِ قتلِ شہِ آسماں جناب ۷ نکلا تھا خون ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
تھی نہرِ علقمہ بھی خجالت سے آب آب روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حباب
پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی

ساحل سے سر ٹپکتی تھیں موجیں فرات کی

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح ۸ ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح
گردون سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہان نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

خورشید نے جو رخ سے اُٹھائی نقابِ شب ۹ در کھل گیا سحر کا ہوا بند بابِ شب
انجم کی فرد فرد سے لیکر حسابِ شب دفتر کشائے صبح نے اُلٹی کتابِ شب
گردون پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا
سلطانِ غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا

یون گلشنِ فلک سے ستارے ہوے روان ۱۰ چن لے چمن سے پھولون کو جس طرح باغبان
آئی بہار مین گلِ مہتاب پر خزان مرجھا کے گر گئے ثمرِ شاخِ کہکشان
دکھلائے طور بادِ سحر نے سموم کے
پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور ۱۱ یادِ خدا مین زمزمہ پردازیِ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انسان زمین پہ محو ملک آسمان پر
جاری تھا ذکر قدرتِ حق کا زبان پر

وہ سرخی شفق کی ادھر چرخ پر بہار ۱۲ وہ بارور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلون پہ گہرہائے آبدار پھولون سے وہ بھرا ہوا دامانِ کوہسار
نافے کھلے ہوے وہ گلون کی شمیم کے

آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

تھی دشتِ کربلا کی زمین رشکِ آسمان ۱۳ تھا دور دور تک شبِ مہتاب کا سمان
چھٹکے ہوئے ستارون کا ذرون پہ تھا گمان نہر فرات بیچ مین تھی مثلِ کہکشان
سرسبز جو درخت تھا وہ نخلِ طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

وہ صبح اور وہ چھاؤن ستارون کی اور وہ نور ۱۴ دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوجِ طور
پیدا گلون سے قدرتِ اللہ کا ظہور وہ جا بجا درختون پہ تسبیح خوان طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولون کی باس سے

ٹھنڈی ہوائین سبزہ صحرا کی وہ لہک ۱۵ شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختون کا پھولون کی وہ مہک ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار ۱۶ پھولون پہ جا بجا وہ گہرہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخون کا بار بار بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہان تھے زیبِ گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریون کا چار طرف سرو کے ہجوم ۱۷ کوکو کا شور نالۂ حق سرہ کی دھوم
سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم جاری تھے وہ جو انکی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِّ عُلا کی مدح
ہر خار کو بھی نوکِ زبان تھی خدا کی مدح

چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھا کے یہ کہتی تھی باربار ۱۸ اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق ترے نثار
یا حیُّ یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار تسبیح تھی کہیں کہیں تہلیل کردگار
طائر ہوا میں مست ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

رات

کھولا عروسِ شب نے جو زلفِ سیاہ کو روشن کیا سپہر نے قندیلِ ماہ کو
ضو دے کے اختروں کے چراغوں نے راہ کو پرنور کر دیا فلکِ بارگاہ کو
جلوہ تھا یوں ستاروں کا اُس دن کی رات میں
افراطِ روشنی کی ہو جیسے برات میں
تھی بس کہ عقدِ قاسمِ نوشاہ کی وہ رات نورِ سحر کو جلوۂ شب نے کیا تھا مات
تھی شرم سے حجاب میں پنہاں شبِ برات روشن تھی مثلِ مطلعِ خورشید کائنات
جلوہ عیاں تھا قدرتِ پروردگار کا
عالم تھا آدھی رات کو نصف النہار کا
تھا اک طرف تو جلوۂ مہتاب آسمان اک سمت اختروں کے چراغوں کا وہ سماں
کم تھی وہ جا جہاں میں نہ ہو روشنی جہاں افشاں چنے ہوئے تھی ستاروں کی کہکشاں
جلوہ جدا تھا عقدِ ثریّا کے نور کا
روشن تھا جھاڑ بامِ فلک پر بلور کا
تاباں تھے بر و بحر و بیابان و کوہسار اک اک شجر پہ سروِ چراغاں کی تھی بہار
تحریک سے ہوا کی جو ہلتے تھے برگ و بار گرتا تھا نور چھن کے درختوں سے باربار
ہر دم تھا چاندنی سے فزوں نور چھاؤں کا
تھا فرق ہر شجر کے تلے دھوپ چھاؤں کا

روشن تھین فرش خاک پہ شمعین جو دور دور
جلتا تھا نور دیکھ کے اُن کا چراغ طور
شعلہ پری کا رخ تو دھوان زلف حور
جاری تھے اشک گرم کہ افسردہ ہین حضور
ہر چند گریہ کرنے کی پروانگی نہ تھی
ہو ضبط ایسی آگ دلون مین لگی نہ تھی

جب زلف کو کھولے ہوے لیلاے شب آئی
پردیس مین سادات پہ آفت عجب آئی
فریاد کنان روح امیر عرب آئی
غل تھا کہ شب قتل شہ تشنہ لب آئی
سادات کو کیا کیا غم جانکاہ دکھائے
رات ایسی مصیبت کی نہ اللہ دکھائے

کاغذ پہ لکھے کیا قلم اُس شب کی سیاہی
ہے چار طرف جسکی سیاہی سے تباہی
مرغان ہوا بر مین نہان بحر مین ماہی
تربت سے نکل آئے تھے محبوب الٰہی
فریاد کا تھا شور رسولان سلف مین
یثرب مین تزلزل تھا اُداسی تھی نجف مین

تھی طرفہ شب تار کہ تارے بھی تھے مستور
اک پارہ ہے جس کا شب یلدا شب دیجور
در ڈرے کہین شبدیز نظر تھا نہ یہ مقدور
ہوتا نہ تھا ثابت کوئی نزدیک ہے یا دور
حضرت پہ وہ اُس تین پہر رات مین گذری
تکلیف سکندر پہ جو ظلمات مین گذری

جنگل کی ہوا اور درندون کی صدائین
تھراتی تھین بچون کو چھپائے ہوے مائین
دھڑکا تھا کہ دہشت سے نہ جانین کہین جائین
روتی تھی کوئی اور کوئی پڑھتی تھین دعائین
گودون مین بھی راحت نہ کہین پاتے تھے بچے

جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہ والا
آندھی یہ پریشان تھی کہ دل تھا تہ و بالا

مشعل نہ ٹھہرتی تھی نہ شمعوں کا اجالا
خیمے بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا

خاک اڑتی تھی سنہ پہ حرم شیر خدا کے
تھا چین بچھین فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

— گرمی —

وہ لو وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تب
کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب

خود نہرِ علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
خیمے جو تھے حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب

اڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

آبِ رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طایر ادھر ادھر

مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر
خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر

گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھوں آبلے پائے نگاہ میں

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار

ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی پھول کے ہر شاخ باردار

گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

شیر اٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے

آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر

بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوّالہ کا گمان　　　انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشان
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان　　　تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان
پانی تھا آگ گرمیِ روز حساب تھی
ماہی جو موجِ سیخ تک آئی کباب تھی

آئینہ فلک کو نہ تھی تابِ تپ کی تاب　　　چھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجون کو اضطراب　　　کا فورِ صبح ڈھونڈتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخ اثیر مین
بادل تھے جمع سب کرۂ زمہریر مین

وہ گرمیون کے دن وہ پہاڑون کی راہِ سخت　　　پانی نہ منزلون نہ کہین سایۂ درخت
ڈوبے ہوئے پسینون مین ہین غازیون کے رخت　　　سنولا گئے ہین رنگ جوانانِ نیک بخت
راکب عبائین چاند سے چہرون پہ ڈالے ہین
تونسے ہوے سمند زبانین نکالے ہین

وہ دن ہین جن دنون کوئی کرتا نہین سفر　　　صحرا کے جانور بھی نہین چھوڑتے ہین گھر
رنجِ مسافرت مین ہین سلطانِ بحر و بر　　　لب برگِ گل سے خشک ہین چہرہ عرق مین تر
آتی ہے خاک اُڑ کے یمین و یسار سے
گیسوئے مشکبار اَٹے ہین غبار سے

اہلِ حرم ہین ہودج و محمل مین بے قرار　　　معصوم پانی مانگتے ہین رو کے بار بار
بانو پکارتی ہے کہ اے شاہِ نامدار　　　گرمی سے جان بلب ہے مرا لالِ شیرخوار
کیونکر یہ دُکھ اُٹھے چھ مہینے کی جان سے
گرمی ہے یا برستی ہے آگ آسمان سے

چلاتی ہے سکینہ کہ اچھے مرے چچا محمل مین گھٹ گئی مجھے گودی مین لو ذرا
بابا سے کہدو اب کہین خیمے کرین بپا ٹھنڈی ہوا مین لے کے چلو تم یہ مین فدا
سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوا مین ہو مری حالت خراب ہے

مخفی تھے شر شدتِ گرما سے حجر مین چلتی تھی یہ لو آگ بھڑکتی تھی جگر مین
نہ بحر مین راحت تھی کسی دل کو نہ بر مین جھیلون مین نہ پانی تھا نہ پتے تھے شجر مین
پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سونین بھی نہ آتی تھین کنوین خشک پڑے تھے
پتھر کی چٹانون سے نکلتے تھے شرارے ناری تھی ہوا سبز شجر زرد تھے سارے
ڈوبے تھے عرق مین اسد اللہ کے پیارے دھڑکا تھا کہ یہ لو کسی بچے کو نہ مارے
ہوش آتا نہ تھا اصغر معصوم کو غش سے
او دے تھے لب لعل سکینہ کے عطش سے
تھا مہر کی حدت سے یہ حال شہ ابرار ماتھے سے ٹپکتا تھا عرق سرخ تھے رخسار
تحمید مین جنبان تھے لب لعل گہر بار بھر کر نفس سرد یہ فرماتے تھے ہر بار
ایک پھول بھی زہرا کے چمن مین نہ ملیگا
کیا ہوگا جو پانی کسی بن مین نہ ملے گا
گرمی سے یہ تھا حضرتِ عباسؑ کا عالم منھ سرخ تھا اور ہانپتے تھے صورتِ ضیغم
چہرہ بھی عرقناک تھا اور طبع بھی برہم فرماتے تھے اشک آنکھون مین بھر کر شہِ عالم
تم شیر ہو راحت تمھین بھائی نہ ملیگی
جب تک کسی دریا کی ترائی نہ ملے گی

یون اکبر مہ رو تھے پسینے مین نہائے — جیسے تپ محرق مین جوان کو عرق آئے
جب چھپکنے لگا دل تو سخن لب پہ یہ لائے — ربّ دو جہان حشر کی گرمی سے بچائے
گزریگا ہر اک دم تپشِ دل سے قلق مین
سب تا بہ کمر ڈوبے ہوئے ہونگے عرق مین

حضرت کو سکینہ بھی صدا دیتی تھی پیہم — محمل مین گھٹا جاتا ہے گرمی سے مرا دم
سب ڈوب گئی ہون یہ پسینے کا ہے عالم — برسے گی یونہی آگ تو جینے کے نہین ہم
ہین ابر کرم آپ کرم کیجیے بابا
سایہ کہین مل جائے تو دم لیجیے بابا

سنکر یہ بھتیجی کی صدا حضرتِ عباس — کہتے تھے چچا صدقے ہو روؤ نہ بصد یاس
لو پانی پیو تمکو لگی ہو جو بہت پیاس — دم گھٹتا ہے محمل مین تو آجاؤ مرے پاس
تکلیف تمھاری ہمین منظور نہین ہے
دن ڈھلتا ہے منزل بھی بس اب دور نہین ہے

مشکین لیے سقّے جو سواری کے تھے ہمراہ — بھر لاتے تھے پانی پئے فوجِ شہِ ذی جاہ
جس طرح پیاسون کا ہو مجمع بسرِ راہ — پانی پہ گرے پڑتے تھے یون شہ کے ہواخواہ
جنگل مین عطش کا جو تھا دہر کہہ رہا ہے
چہرے پہ چھڑکتا تھا کوئی کوئی زرہ پر

بھرتا تھا دمِ سرد پریشان کوئی ہو کے — دامن سے ہوا دیتا تھا منھ کو کوئی دھو کے
بچتا تھا کوئی لو سے ردا چہرے پہ رو کے — رکھ لیتا تھا سر پہ کوئی رومال بھگو کے
پڑتے تھے جو چھینٹے تو مزا دیتا تھا پانی
جھک کر کوئی چلو ہی سے پی لیتا تھا پانی

۔غرض وہ خاص وصف جس نے میر صاحب کے مرثیون کا پایہ بلند کیا اور اُن کو شعر کی صف اول مین جگہ دلائی اُن کی مصوّری اور واقعہ نگاری تھی۔جس قدر زیادہ مطالعہ اُن کے کلام کا کیا جائیگا اُتنی ہی زیادہ تصدیق اس دعوے کی ہوتی جائیگی۔

رزمیہ شاعری بھی دراصل واقعہ نگاری کی ایک قسم ہے اس لیے یہان بھی میر انیس اپنے ہم عصرون سے گوئے سبقت لیجاتے ہین۔معرکہ کا زور شور۔جنگ کا ہنگامہ۔فوج کا سازوسامان۔سپاہیون کا جوش۔دشمن کی ابتری۔لشکر اعدا مین ہلچل۔اس طرح بیان کرتے ہین کہ سننے والون کے کلیجے دہل جائین۔حریفون کے داؤن پیچ اور فنون جنگ کا یون نقشہ کھینچتے ہین کہ آنکھون کے سامنے تصویر پھر جائے۔نوعمری مین بانک بنوٹ وغیرہ فنون سپہگری کی مشق کی تھی اُس سے فائدہ اُٹھاتے ہین۔

یہ کہکے اپنے چھوٹے سے نیزہ کو دی تکان ۔۔۔ چمکی انی تو برق پکاری کہ الاماں
اک بند باندھکر جو فرس سے کہا کہ ہان ۔۔۔ ڈانڈ آئی ڈانڈ پر تو سنان سے لڑی سنان
بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

جھنجلا کے چوب نیزے کو لایا وہ فرق پر ۔۔۔ قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ ماری بچا کے سر
دو انگلیون مین نیزۂ دشمن کو تھام کر ۔۔۔ جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیون سے کام لیا ذوالفقار کا

بالائے سر جو ڈانڈ کو لایا وہ خود پسند ۔۔۔ کھولے تمام نیزۂ بیداد گر کے بند
پھینکی شقی نے فرق پہ جھنجلا کے پھر کمند ۔۔۔ سر کو بچا کے شیر نے تلوار کی بلند
گردش تھی ہاتھ کی نہ بڑھے کچھ نہ ہٹ گئے
حلقے کھلے تھے جو وہ اشارے مین کٹ گئے

- جناب عونؑ و محمدؑ سے مقابلہ کے لیے دو زبردست پہلوان لشکرِ دشمن سے آتے ہیں۔ اب حریفوں کے داؤں پیچ دیکھیے۔ یہ تصویر کشی کا کمال ہے۔

بائیں طرف وہ لاتے تھے جب چھیڑ کر سمند
مڑتے تھے داہنی سمت کو دونوں یہ ارجمند
آتے تھے زد پہ سامنے جب وہ جفا پسند
جاتے تھے اُڑ کے یاں سے بھی اسپان سربلند
چوٹیں جو چل رہی تھیں ذرا فرق و بیں سے
ڈھالوں پہ وار رُک رہے تھے جانبین سے

آئے ادھر یہ سن سے وہ زن سے نکل گئے
وہ دب گئے یہ تول کے تیغیں سنبھل گئے
گھوڑے اُٹھا کے جب یہ گئے بر محل گئے
ظالم جہاں پہ تھم گئے سو وار چل گئے
غل تھا کہ انکے ہاتھوں کی ضربیں بلا کی ہیں
چوٹیں یہ سب بندھی ہوئی مشکل کشا کی ہیں

پڑتی تھیں انکے ہاتھوں کی چوٹیں جو بار بار
غصہ میں آ کے اور جھپٹتے تھے نابکار
کیں ضربتیں جو مثلِ یداللہ نامدار
بچوں سے تیغیں چھٹ کے گریں دو پرے کے پار
بچوں کے ہاتھ دہنے پہ جا کر جو پھر پڑے
سر کٹ کے دونوں خیمہ کی ڈیوڑھی پہ گر پڑے

- معرکۂ جنگ کا زور شور اس طرح بیان ہوتا ہے۔

جنگ

نکلی جو رن میں تیغ حسینی غلاف سے
اُڑنے لگے شرر دمِ خارا شگاف سے
بجلی بڑھی چمک کے جو دشتِ مصاف سے
صاف آئی الامان کی صدا کوہِ قاف سے
طبقے فلک کے صورتِ گہوارہ ہل گئے
دب کر پہاڑ خاک کے دامن سے مل گئے

راحت میں جن و انس و ملک کے خلل پڑے ۲ قلزم میں ڈر کے مردمِ آبی اچھل پڑے

کھا کھا کے جوشِ خاک سے چشمے اُبل پڑے   بیرالالم سے غول جنون کے نکل پڑے
شہ کا غضب نمونۂ قہرِ اِلٰہ تھا
تلوار کیا علم تھی کہ عالم تباہ تھا
اُٹھا جو الحفیظ کا روحانیون مین شور ۳ مردے دہل کے چونک پڑے سب میانِ گور
چلائے گرگ و شیر و غزالان و مار و مور   ہے بازوے حسینؑ مین دستِ خدا کا زور
اُلٹے ہین مثلِ شیرِ خدا آستین کو
اے کردگار عرش بچا لے زمین کو
چلّون سے کج نہاد ملانے لگے خدنگ ۴ منھ ترکشون نے کھول دیے صورتِ نہنگ
خنجر رکھے کمر مین دو دھارے جٹا کے سنگ   برچھی ہلا کے فوج نے جولان کیے سُرنگ
سرہنگ شام گرزِ گران تولنے لگے
بڑھ بڑھ کے بیرقون کو عدو کھولنے لگے
کالے علم نشان سیہ کالی سب سپاہ ۵ گویا زمین کے سینے سے اُٹھتا تھا دودِ آہ
تھا نالۂ نفیر کہ بیکس کو دو پناہ   شہنا کی یہ صدا اٹھی کہ سید ہے بیگناہ
سنکر دُہل کا شور کلیجے دہلتے تھے
تھرّا کے جھانجھ بھی کفِ افسوس ملتے تھے
وہ غول مصریون کے وہ دل شام و روم کے ۶ آندھی سیہ اُٹھی کہ گھٹا آئی جھوم کے
تنہا حسینؑ بیچ مین تھا اس ہجوم کے   تلوار لی نیام سے قبضہ کو چوم کے
اُٹھا سخی کا ہاتھ ید اللہ کی شان سے
نکلا ہمائے اوجِ شرف آسمان سے
باہر ہوئی نیام سے شمشیر شعلہ بار ۷ یا ابر سے نکل کے ہوئی برق بے قرار
یا کیچلی کو جھاڑ کے نکلا سیاہ مار   یا آستین سے یدِ بیضا تھا آشکار

نکلی عروس فتح محافے سے جدا ہوا
یا نامہ ظفر سے لفافے سے جدا ہوا

کاٹھی تھی ذوالفقار کی یا تھا اجل کا گھر ۸ حجلہ تھا یا نقاب رخ لیلیِ ظفر
گھونگھٹ اٹھا کے برق سی چمکی ادھر ادھر دولہا دلھن حجاب سے نکلے جھکائے سر
دکھلائی سب کو منہ کی صفائی لڑائی میں
جانیں ہزار وجہ سے لیں رونمائی میں

نکلی وہ جانگداز عجب زرق برق سے ۹ صاف آئی الحفیظ کی آواز برق سے
چشمک یہ دمبدم تھی ہر اک اہل شرق سے آتی ہوں میں سروں پہ ذرا فرق فرق سے
دریائے قہر حضرت پروردگار ہوں
طوفان اٹھیگا یاں سے میں وہ ذوالفقار ہوں

الٹے تھے آستیں جو شہنشاہ سرفراز ۱۰ جنبان تھی کربلا کی زمیں صورت جہاز
اعدا کی فوج پر تھی زبان تیغ کی دراز کہتے تھے کانپ کانپ کے آپس میں فتنہ ساز
کیونکر جواب دے کوئی دم بند سب کے ہیں
غل تھا کہ ذوالفقار کے فقرے غضب کے ہیں

کوندی جو برق طاقت گفتار گھٹ گئی ۱۱ جو صف پے مصاف بڑھی تھی وہ ہٹ گئی
ثابت ہوا ہر اک پہ کہ دنیا الٹ گئی آپہونچی تھی پہ ڈر کے قیامت پلٹ گئی
پھر حشر تھا جو رسم نہ آئے حضور کو
منہ سے ملا چکے تھے سرافیل صور کو

چلتی تھی ذوالفقار جو سن ادھر ادھر ۱۲ دہشت سے چھپتے پھرتے تھے دشمن ادھر ادھر
کٹ کٹ کے گر رہے تھے سر و تن ادھر ادھر ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ جوشن ادھر ادھر
ڈر کر کے جو سوار گرے وہ مرے گرے

صف پہ گری جو صف تو پرون پر پرے گرے

رہئین تنون کے جسم کے ٹکڑے اُڑا دیے ۱۳ ہاتھون کے کاٹ کاٹ کے پرنے اُڑا دیے
گردن بچی کسی کی تو شانے اُڑا دیے پہونچا جو سر پہ ہاتھ تو پہونچے اُڑا دیے
اوچھا بھی وار گر کسی دشمن کے لگ گیا
تن چار ہاتھ تڑپ کے الگ - سر الگ گیا

سر سے جدا تھا خود تو سر تھے جبین سے دور ۱۴ قبضون سے قبضے دور تھے ہاتھ آستین سے دور
جان جسم سے تو جسم تھے جانِ حزین سے دور کارِ مکین مکان سے مکان تھے مکین سے دور
اُس تیغ جانستان سے فقط سر قلم نہ تھے
اللہ رے تفرقہ کہ عناصر بہم نہ تھے

جب وہ بلند ہوتی تھی مانندِ ماہِ نو ۱۵ جاتی تھی دور دور بیابان مین اُسکی ضو
اُسکی نہ ایک ضرب نہ اعدا کے وار سو کشتِ حیاتِ اہلِ ستم ہو گئی درو
سرکش سب ایک دم مین نگونسار ہو گئے
کٹ کر سرون کے کھیت مین انبار ہو گئے

کیا لشکرِ یزید پہ رنج و محن پڑا ۱۶ طالع جو نحس تھے توام نحسین پر گہن پڑا
لاشے پہ لاشہ سر پہ سر اور تن پہ تن پڑا کہتی تھی موت بھی کہ قیامت کا رن پڑا
اوپر تلے جو کشتون کے انبار پاتی تھی
گنتی کو بار بار اجل بھول جاتی تھی

کشتے تڑپ رہے تھے برابر زمین پہ ۱۷ زندے تھے خوفِ قتل سے مضطر زمین پہ
آئی جو سن سے تیغ دو پیکر زمین پہ گردن نے دھڑ سے پھینک دیا سر زمین پہ
ساطالین کے پاؤن پہ سر کٹ کے گر پڑا
تن مارے ڈر کے چند قدم ہٹ کے گر پڑا

حربے بھی قتل گاہ سے منھ موڑنے لگے ۱۸ ہٹ ہٹ کے پیچھے ہاتھ تبر جوڑنے لگے
ڈر ڈر کے مورچوں کو بہادر چھوڑنے لگے تیغیں پٹک کے خاک پہ دم توڑنے لگے
چلاتی تھیں کمانیں کہ اب رخ کدھر کریں
ڈھالیں تھیں مضطرب کہ کسے ہم سپر کریں

ہرچند ساری فوج پہ ڈھالوں کی آڑ تھی ۱۹ بھاری تھی ضرب یہ کہ لڑائی پہاڑ تھی
غلبہ تھا دین کا کفر کی بستی اجاڑ تھی میدانِ معرکہ میں عجب مار دھاڑ تھی
ڈر ڈر کے منھ سے زہر سبھوں نے اگل دیے
گھوڑوں کے سم نے موزیوں کے سر کچل دیے

سن سن چلی جو تیغ تو جی سن سنا گئے ۲۰ دریا کے چوکیدار لہو میں نہا گئے
دعوے تھا مردمی کا یہ آنکھیں چرا گئے بچ بچ کے آبِ تیغ کے چھینٹوں میں آ گئے
مٹی نے بھی عزیز نہ ان کا لہو کیا
دم بھر میں ذوالفقار نے بے آبرو کیا

آفت تھی قہر تھی غضب ذوالجلال تھی ۲۱ بجلی تھی صاعقہ تھی فنا تھی زوال تھی
خنجر تھی نیمچہ تھی کٹاری تھی بھال تھی اعدا کے ذبح کرنے کو سحرِ حلال تھی
جیتا تو سامنے سے کوئی کم نکل گیا
منھ اسکا جس نے دیکھ لیا دم نکل گیا

سر اڑ گئے تنوں سے جدھر سرسری چلی ۲۲ خشکی سے خون میں ڈوب کے سوئے تری چلی
خالی ہوئے پرے تو غضب میں بھری چلی غل تھا کہ لو دکھا کے لگاوٹ پری چلی
خنجر اٹھیں کے ان کا لہو چاٹنے لگے
دیوانے آپ اپنا گلا کاٹنے لگے

چھٹیں کمانیں قبضوں سے اور چٹکیوں سے تیر ۲۳ کیسی لڑائی سہمے ہوئے تھے جوان و پیر

غازی تھے تیغ زن قدر انداز گوشہ گیر اپنے لہو میں لوٹتے پھرتے تھے پھر شریر
لشکر سیہ رخون کا جو پامال ہوگیا
مارے خوشی کے تیغ کا منھ لال ہوگیا

تلوار اور گھوڑے کی تعریف مین مرثیہ گویان لکھنو خصوصاً مرزا دبیر علیہ الرحمۃ نے قلم توڑ دیا تھا۔ اس میدان مین تعلّی اور مبالغہ کی حد باقی نہ رکھی تھی۔ گھوڑے کی سرعت کی توصیف یہان تک بڑھا دی تھی کہ "سن بڑھ نہین سکتا"

(دبیر) اس رخش کے منھ پر کوئی دن چڑھ نہین سکتا
سرعت کا یہ عالم ہے کہ سن بڑھ نہین سکتا

اور تلوار کی شعلہ فشانی کا یہ عالم تھا کہ

تلوارون پہ وہ سیف جو شعلہ فشان ہوئی
جل بھن کے آب تیغون کی رن مین ھوا ئی ہوئی

میر صاحب نے اس دشوار منزل کو بھی سلامت روی سے طے کیا۔ انتہائی مبالغہ کے ساتھ ساتھ کہین کہین اصلیت کی جھلک بھی نظر آجاتی ہے اور وہی تصویر واقعہ ان کے کلام کو دوسرون سے ممتاز کرتی اور اندھیری رات مین جگنو کا کام دیتی ہے۔

تلوار

قد کتنا خوش نما ہے بدن کس قدر ہے گول ۱ جوہر شناس ہے تو اسے موتیون مین تول
مفتاح فتح ہے در نصرت کو اس سے کھول وہ تیغ ہے خراج صفاہان ہے جس کا مول
اشراف کا بناؤ رئیسون کی شان ہے
شاہون کی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے

دلسوز شعلہ خو شرر انداز جان گداز ۲ لشکر کش و شکست رسان و ظفر نواز
خونخوار و کج ادا و دل آزار و سرفراز حاضر جواب تیز طبیعت زبان دراز

سج اُسکی ہے پسندِ جہان گو سجی نہ ہو
معشوق پھر نہین ہے جو اتنی کجی نہ ہو

پتلا وہ اُس کا اور وہ باریکی خمیر ۳ کس بل مین بے مثال اصالت مین بے نظیر
جنگ آزما خراج ستانندہ ملک گیر گیتی نورد بادیہ پیما فلک مسیر
اس کا جلال خلق مین کس پر جلی نہین
کوچہ وہ کون سا ہے جہان یہ چلی نہین

چھوڑے اگر شعاع کی چلمن نہ آفتاب ۴ کیا تاب ہے کہ لا سکے اُسکی چمک کی تاب
آفت کا دم ہے قہر کی تیزی غضب کی تاب دشمن اسے جو رات کو دیکھے میانِ خواب
بھاگے ہزار وہ یہ نہ پاوے مفر کہین
بستر پہ دھڑ کہین ہو دمِ صبح سر کہین

بے پاؤن جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی ۵ ندی ادھر اک خون کی اُبلتی ہوئی آئی
دم بھر مین وہ سو رنگ بدلتی ہوئی آئی پی پی کے لہو لعل اُگلتی ہوئی آئی
ہیرا تھا بدن رنگ زمرد سے ہرا تھا
جوہر جو کہو پیٹ جواہر سے بھرا تھا

زیبا تھا دمِ جنگ پریوش اُسے کہنا ۶ معشوق بنی سرخ لباس اُس نے جو پہنا
اس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا جوہر تھے کہ پہنے تھی دلھن پھولون کا گہنا
سیبِ چمنِ خلد کی بو باس تھی پھل مین
رہتی تھی وہ شبیرؑ سے دولھا کی بغل مین

پہونچی جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا ۷ ہر ہاتھ مین ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا تیزی کو رُکھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا
اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب

قینچی سی زبان چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

فوجوں کو دے جواب وہ تیزی زبان میں ۸ ترکش میں چھوڑے تیر نہ ترکش کمان میں
بانی تھا وہ کہ آگ لگا دے جہان میں نازل ہوا تھا آیۂ برق اسکی شان میں
بے فتح پھیرتی تھی نہ منھ کارزار سے
دعواے ہمدمی تھا اُسے ذوالفقار سے

کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے ۹ تنتی تھی کیا تنوں سے زمین پاٹ پاٹ کے
پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
کیا جانیے ملا تھا مزا کیا زبان کو
کھا جاتی تھی ہما کی طرح استخوان کو

ہر ہاتھ میں اُڑا کے کلائی نکل گئی ۱۰ کوندی گری زمین میں سمائی نکل گئی
کاٹی زرہ دکھا کے صفائی نکل گئی مچھلی تھی ایک دام میں آئی نکل گئی
چار آئینے کے پار تھی اس آب و تاب سے
جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

پہونچی سمِ فرس پہ جو بالاے سر گری ۱۱ چمکی ادھر زمین سے نکل کر اُدھر گری
ناری چلے اُدھر وہ جدھر کوند کر گری جس صف سے لگ چلی وہی صف خاک پر گری
دکھلا کے اوج جاتی تھی وہ یوں سوار پر
جنگل میں باز گرتا ہے جیسے شکار پر

جب خود پہ بیٹھی تو جھلم کاٹ کر اُٹھی ۱۲ دستانہ کو مانندِ قلم کاٹ کر اُٹھی
جوشن پہ جو آئی تو شکم کاٹ کر اُٹھی سر پہ جو پڑی تا بہ قدم کاٹ کر اُٹھی
بالا تھی وہ شمشیر ستمگار فرد تھا
دیکھا تو فرس بھی اُسی اک ضرب میں دو تھا

جب آئی سن سے کاٹ کے جوشن نکل گئی ۱۳ اُڑ کر صفون کے بیچ سے ناگن نکل گئی
یون چاک کر کے سینۂ دشمن نکل گئی شہرگ سے جان صدر سے گردن نکل گئی
سالم رگین نہ جسم کی نہ استخوان رہے
ٹوٹے قفس مین طائر وحشی کہان رہے

پھول اُڑ گئے پھل اُسکا جو چمکا کسی کے پاس ۱۴ نکلی اُدھر سپر سے کہ آ پہونچی سر کے پاس
سر سے اُتر گئی دلِ بیدادگر کے پاس دل سے جگر کے پاس جگر سے کمر کے پاس
کھولا کمر کا بند تو در آئی زین مین
زین سے گئی فرس مین فرس سے زمین مین

چم خم وہ تیغ کا وہ لگاوٹ وہ آب و تاب ۱۵ آتش کسی جگہ کہین بجلی کہین سحاب
سیلی تھی ایک پری کے تنکم پہ کہ اُسکی تاب تیزی زبان مین وہ کہ فرشتون کو دے جواب
جوہر سے اُس کا جسم جواہر نگار تھا
گویا گلے مین حور کے ہیرے کا ہار تھا

پیاسی بھی خونِ فوج کی اور آبدار بھی ۱۶ غل تھا کہ ایک گھاٹ مین پانی بھی نار بھی
بجلی بھی ابرِ تر بھی خزان بھی بہار بھی تلوار بھی سپر بھی چھری بھی کٹار بھی
پانی نے اسکے آگ لگا دی زمانے مین
ایک آفت جہان تھی لگانے بجھانے مین

ہم چشم تھا ابروے حسینون کی خم اُس کا ۱۷ اللہ ری چمک برق بھی بھرتی تھی دم اُس کا
ناگن بھی اُترا ہی نہ تھا چڑھ کے سم اُس کا ہر ہاتھ مین ہاتھ اس کا تو بازو قلم اُس کا
جوہر کی چمک دیکھی نہ ہیرون کے نگون مین
یون دوڑتی تھی تن مین لہو جیسے رگون مین

آمد تھی تیغ کی کہ اجل کا پیام تھا ۱۸ یہ صف اخیر تھی وہ رسالہ تمام تھا

بجلی سا ہر جگہ فرس تیز گام تھا ششدر تھی موت چار طرف قتلِ عام تھا
اس غول پر کبھی تھی کبھی اُس قطار پر
پڑتا تھا ایک تیغ کا سایہ ہزار پر

منہ پھر گئے سپاہ کے جس سمت رخ کیا ۱۹ یان سے وہان گئی اسے مارا اُسے لیا
باقی رہے ہزار مین نو دس مین اک جیا اللہ رے دم لہو پہ لہو تیغ نے پیا
اسپر بھی تشنگی مین نہ تسکین ذری ہوئی
گویا تھی آگ پیٹ مین اُس کے بھری ہوئی

جب تن سے فوج کفر پہ وہ جنگجو چلی ۲۰ گویا سموم قہر خدا چار سو چلی
بسمل پھڑک کے رہ گئے یون تند خو چلی ٹکڑے اُڑائے ذبح کیا سرخ رو چلی
غل تھا برش ہے قہر کی جوہر بلا کے ہین
دم بھر مین فیصلہ یہ کرشمے قضا کے ہین

جس کے گلے مین مل کے چلی مر کے رہ گیا ۲۱ بسمل بھی تیغ تیز کا دم بھر کے رہ گیا
آگے بڑھا کوئی تو کوئی ڈر کے رہ گیا سکتے مین کوئی منہ پہ نظر کر کے رہ گیا
دو پتلیاں بھی بہر تماشا ٹلی رہین
سر کٹ کے گر پڑا مگر آنکھین کھلی رہین

چھپتی تھی برق اُس کی چمک دیکھ دیکھ کے ۲۲ رہ جاتے تھے سما کو سمک دیکھ دیکھ کے
تھرّاتا تھا زمین کو فلک دیکھ دیکھ کے خورشید کا پتا تھا جھلک دیکھ دیکھ کے
جوہر مین پیچ تاب تھا زلفون کے جال کا
بجلی کی زرق برق تھی جسم خم ہلال کا

جو دشمن دین تھا اُسے پہچانتی تھی وہ ۲۳ مغفر کو حباب لب جو جانتی تھی وہ
چار آئینہ خود کو کب مانتی تھی وہ ہر وار مین جوشن کا جگر چھانتی تھی وہ

اژدر تھا کہ تلوار تھی دم تھا کہ ستم تھا
نا بین تھیں کہ گھر موت کا پانی تھا کہ سم تھا

مشہور تھی وہ رشک پری قاف سے تا قاف ۲۴ جوہر تھا جواہر کا کہ تھا زیور شفاف
سر سے گئی تا صدر شکم سے گئی تا ناف پھر دیکھو تو لب خشک زبان پاک دہن صاف
ٹپکا جو لہو منہ سے شرارے نظر آئے
دریا سے گہر ابر سے تارے نظر آئے

بڑھ کر کسی نے وار جو روکا سپر کٹی ۲۵ چار آئینہ کٹا زرہِ خیرہ سر کٹی
نیزہ کی ہر گرہ صفتِ نیشکر کٹی سینہ کٹا جگر ہوا زخمی کمر کٹی
رہوار بھی دو نیم میانِ مصاف تھا
ان سب کے بعد منہ کو جو دیکھا تو صاف تھا

چمکی گری اٹھی ادھر آئی ادھر گئی ۲۶ خالی کیے پرے تو صفیں خون میں بھر گئی
کاٹے کبھی قدم کبھی بالا سے سر گئی ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اتر گئی
اک شور تھا یہ کیا ہے جو قہرِ صمد نہیں
ایسا تو رودِ نیل میں بھی جزر و مد نہیں

سو سو ہوئے بے سر صفِ دشمن پہ جب آئی ۲۷ غل تھا نہیں بچنے کے اجل سب کی اب آئی
اتنی تو صدا آئی کہ برقِ غضب آئی یہ بھی نہ کھلا کب گئی اور سر پہ کب آئی
افتادہ تھے بے سر جو پرے فوج لعیں کے
سطریں سی نظر آتی تھیں صفحے پہ زمیں کے

دکھلا کے گلِ زخم بدن سے نکل آئی ۲۸ شمشیر خزاں تھی کہ چمن سے نکل آئی
ہمراہ لیے روح کو تن سے نکل آئی شب سے جو پڑی سر پہ تو تن سے نکل آئی
سرکش کا تکبر سے جب افلاک پہ سر تھا

جھپکی تھی اِدھر آنکھ اُدھر خاک پہ سر تھا

مغفر میں ہوئی غرق تو سر کاٹ کے نکلی ۲۹ روکا جو سپر پر تو سپر کاٹ کے نکلی
شانے پہ گری تا بہ کمر کاٹ کے نکلی سینے میں در آئی تو جگر کاٹ کے نکلی
ہر ہاتھ میں گردش تھی نئی ڈھنگ نیا تھا
گھوڑے کے بھی ٹکڑے تھے یہ جو رنگ نیا تھا

کٹ جاتے تھے منہ دیکھ کے سب تیغ زن اُس کا ۳۰ قامت میں کجی چال میں وہ بانکپن اُس کا
تاریک زمین اور وہ تابان بدن اُس کا جلتی تھی سرون پہ یہ نیا تھا چلن اُس کا
بجلی کو بھی تڑپا دیا تھا جلوہ گری نے
تاب اُسکی بھی پایا نہ نکالی تھی پری نے

اک آگ سی تھی چار طرف شعلہ فشان برق ۳۱ وہ برق کہ خود مانگتی تھی جس سے امان برق
یان موج تو وان سیل جو یان ابر تو وان برق منہ زہر۔ برش قہر۔ بدن آگ۔ زبان برق
سرکش تھا جو ناری یہ جلاتی تھی اُسی کو
لوہے پہ جو گرتی تھی تو کھاتی تھی اُسی کو

اُٹھکر کبھی ٹھہری کبھی لچکی کبھی چمکی ۳۲ سر گر گئے گردن جدھر اُس تیغ نے خم کی
سیدھی صفِ دشمن کو ملی راہ عدم کی سیفی تھی کہ گویا دمِ شمشیر پہ دم کی
دم بھر میں صفین صاف تھیں بیدادگرون کی
تھی مینھ کی طرح خاک پہ بوچھار سرون کی

مغفر سے جھلم کاٹ کے گردن میں در آئی ۳۳ گردن سے کٹا سر کہ وہ جوشن میں در آئی
جوشن سے گذرنا تھا کہ بس تن میں در آئی تن سے ابھی اُتری تھی کہ توسن میں در آئی
بچتا کوئی کب تیغِ قضا رنگ کے نیچے
ایک برقِ غضب کوند گئی تنگ کے نیچے

دم بھر نہ ٹھہرتی تھی عجب طرح کا دم تھا ۳۴ نیزے پہ جسے ناز تھا سر اُس کا قلم تھا
ناگن میں نہ یہ زہر نہ افعی میں یہ سم تھا یہ تیغ کی جویا تھی قد اس واسطے خم تھا
بد اصل تکبر سے سخن کہتے ہیں اکثر
جو صاحب جوہر ہیں جھکے رہتے ہیں اکثر

کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جدا ۳۵ جیسے کنار شوق سے ہو خوبرو جدا
مہتاب سے شعاع جدا گل سے بو جدا سینے سے دم جدا رگ جان سے گلو جدا
گرجا جو رعد ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلی نکل پڑی

گھوڑا

خوش رو و خوش خرام و خوش انداز و خوش لجام خوش خو و خوش جمال و ادا فہم و تیز گام
جاندار و شوخ چشم و سعید و خجستہ گام گل پوش و تیز ہوش و سمن گوش و لالہ فام
غازی تھا سرفراز تھا عالی دماغ تھا
گویا ہوا کے دوش پہ اک زندہ باغ تھا

اُس صف کو اُلٹ کر ادھر آیا اُدھر آیا فوجوں سے پلٹ کر ادھر آیا اُدھر آیا
بجلی سا سمٹ کر ادھر آیا اُدھر آیا جوں شیر جھپٹ کر ادھر آیا اُدھر آیا
تھمتا تھا چھلاوہ بھی مگر یہ نہیں تھمتا
طائر بھی ٹھہر جاتا ہے پر یہ نہیں تھمتا

جو رگ ہے عوض خون کے سرعت سے بھری ہے بلدی جو ہے سب جلد بھی جودت سے بھری ہے
شعلے کی طرح طبع شرارت سے بھری ہے اُبلی ہوئی ہر آنکھ شجاعت سے بھری ہے
اُڑ جاتا تھا پر جوں وہ محل جست کا پا کے
تلواروں کے نیچے سے نکل جاتا تھا آ کے

صرصر تھا کبھی گاہ نسیم سحری تھا　　طاؤس فلک سیر دم جلوہ گری تھا
بن بن کے اٹھانے مین قدم کبک دری تھا　　کاوے مین جو پرکار تو اڑنے مین پری تھا
رفتار تو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو
سایہ بھی نہ اُس کا نظر آتا تھا کسی کو

وہ شہسوار اور وہ سمند فلک نورد　　پائی کبھی صبا نے نہ جسکے قدم کی گرد
بازار برق گرم روانی سے اُس کی سرد　　تھا چال مین پری تو چھلاوہ دم نبرد
اُس کی سبک روی سے خجالت سحاب کو
دریا پہ جائے اور نہ خبر ہو حباب کو

صرصر سے تیز تر تھا وہ اسپ خجستہ فر　　یکسان تھا اُس کو صورت خورشید دشت و در
پانی پہ تھا جو موج تو آتش مین تھا شرر　　گیتی نورد و برق تگ و آسمان سفر
ٹاپون سے سرکشون کی صفین پایمال تھین
زین آفتاب تھا تو رکابین ہلال تھین

مشرق سے جو اک اُسے ہان کہکے اُڑائے　　عقل جکا ذنگ ہو سرعت وہ دکھائے
ہا سے الف ہان ابھی یان وصل نہ پائے　　مغرب سے یہ خورشید فلک جاکے پھر آئے
دھوکا پر پرواز کا ہے دامن زین پر
طاؤس ہوا پر ہے تو بجلی ہے زمین پر

یہ تا حد امکان صفت عقل رسا جائے　　بالائے فلک صورت شبدیز دعا جائے
کہسار سے دریا کی طرف مثل ہوا جائے　　دریا پہ جو دوڑاؤ تو مانند ہوا جائے
سیر اس کی اگر چشم کو منظور نظر ہو
آنکھون مین پھرے یون کہ نہ پتلی کو خبر ہو

اُڑجانے مین رنگ رخ عاشق سے سبک تیز　　کاکل وہ کہ زلف سر لیلے سے دل آویز

پوئی مین غزالون کے طرارون سے کہین تیز　　آقا کے ارادے کو سمجھتا ہے وہ ہمیشہ
جون سایۂ آہو نہ قرار اُسکو کہین تھا
راکب نے جدھر آنکھ سے دکھایا وہین تھا

جرات مین رشک شیر تو ہیکل مین پیلتن　　پوئی کے وقت کبک دری جست مین ہرن
بجلی کسی جگہ تو کہین ابر قطرہ زن　　بن بن کے آنے جانے مین طاؤس کا چلن
سیماب تھا زمین پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

آنکھین وہ جن کو دیکھکے حیران رہے غزال　　گردن وہ جسکی شرم سے ہے سرنگون ہلال
آہو کی جست شیر کی چتون پری کی چال　　دل۔ اُسکے دست و پائے حنائی سے پائمال
ہر نعل پا کا حسن یہ تھا اُس جلوس مین
آئینہ جس طرح سے ہو دست عروس مین

بکل کی طرح اشارے مین سو بار پھیر لو　　بجلی ہے جس طرف دم پیکار پھیر لو
کاوے مین شکل گنبد دوّار پھیر لو　　نقطے کے گرد صورت پرکار پھیر لو
دوڑے پرے پرے آب تو بجلی بھی تر نہ ہو
آنکھون مین یون پھرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو

ضیغم کی جو تھی جست تو آہو کے طرارے　　آنکھون کو چرا لیتے تھے خجالت سے چکارے
ہر نعل سے خم تھا مہ نو شرم کے مارے　　اُٹھتے تھے قدم جب تو چمکتے تھے ستارے
ہو رشک نہ کیونکر فلک ماہ جبین کو
نقش سُم توسن سے لگے چاند زمین کو

باریک جلد وہ کہ خجل قاقم و حریر　　مشکین پرند آہوئے رم خوردہ شیر گیر
حلقے سے یون نکل گیا جیسے کمان سے تیر　　آتش مزاج بادیہ پیما نہ فلک سیر

یون فتح ساتھ ساتھ تھی اُس راہوار کے
جیسے پیادہ چلتا ہے آگے سوار کے

آمد فرس کی تھی دُلھن آتی ہے جس طرح — تھم تھم کے نکہت چمن آتی ہے جس طرح
خوشبوے نافۂ ختن آتی ہے جس طرح — یا شمع سوے انجمن آتی ہے جس طرح
باہم طیور کہتے تھے کبک دری ہے یہ
گھوڑے چراغ پا تھے کہ بیشک پری ہے یہ

چارون سمون سے بدر خجل نعل سے ہلال — کھیلین شکار شیر یہ آنکھین ہین وہ غزال
کھیے نہ بال حور نے بکھرا دیے ہین بال — پھرنے پہ جھوم جھوم کے صدقے پری کی چال
رستے ہین یاد گنبد نیلی رواق کے
دلدل کی سب زبان ہین طرارے براق کے

سینہ کشادہ تنگ کمر چست جوڑ بند — گردن خم ہلال اور اُس پر سر بلند
جاندار بردبار عدو کش ظفر پسند — بجلی کسی جگہ کہین آہو کہین پرند
سرعت ہے ابر کی تو لطافت ہوا کی ہے
اتنے ہنر فرس مین یہ قدرت خدا کی ہے

وہ زیب و زین زین کی وہ ساز وہ پھبن — زیور سے جیسے ہوتی ہے آراستہ دُلھن
چشم سیاہ دیدۂ آہو پہ طعنہ زن — سرعت یہ تھی کہ بھولتے تھے چوکڑی ہرن
جادو تھا معجزہ تھا پری تھا طلسم تھا
یا گھر نہ تھی زرہ مین تہمتن کا جسم تھا

وہ صاف صاف اُسکی کنوتی کمر کفل — اللہ رے کشادگی سینہ و بغل
سیماب کی طرح نہین آرام ایک پل — پھرتا تھا اس طرح کہ پھرے جس طرح سے گل

راکب نے سانس لی تو وہ کوسوں روانہ تھا
تارِ نفس بھی اُس کے لیے تازیانہ تھا

وہ جست و خیز اور وہ چالاکیِ سمند　　سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اُس کے جوڑ بند
سُم قرصِ ماہتاب سے روشن ہزار چند　　نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند
گر ہِل گئی ہوا سے ذرا باگ اُڑ گیا
تیلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مُڑ گیا

آہو کی جست شیر کی آمد پری کی چال　　کبک دری تجمل دل طاؤس پایمال
سبزہ سبک روی سے قدم کے تلے نہال　　اک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال
جو آ گیا قدم کے تلے گرد ہو گیا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوہ بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا کبھی رہوار بن گیا　　آیا عرق تو ابرِ گہربار بن گیا
گہ قطب گاہ گنبدِ دوّار بن گیا　　نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا
حیران تھے اُس کے گشت پہ لوگ اُس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

سمٹا جما اُڑا ادھر آیا اُدھر گیا　　چمکا پھرا جلال دکھایا ٹھہر گیا
تیروں سے اُڑ کے برچھیوں میں بے خطر گیا　　برہم کیا صفوں کو پروں سے گزر گیا
گھوڑوں کا تن بھی تاب سے اُس کی فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

افزوں ہے زلفِ حور سے خوشبو ایال کی　　دیکھیں تو لیں بلائیں سدا بال بال کی
پریاں خرام ناز میں شاگرد چال کی　　غصے میں جست شیر کی شوخی غزال کی
وہ حسن تن پہ ساز کا جوبن براق کا　　دُلدُل کے ہاتھ پاؤں تو چہرہ براق کا

میر صاحب کے کلام پر ریویو نامکمل رہے گا اگر اُن کی نازک تشبیہات، لطیف استعارات کی مثالیں نہ پیش کی جائیں۔ گلشن کی ایک ایک کلی میں معشوق کا جلوہ دیکھنا اور محبوب کے ایک ایک خال و خط پر کائنات کو فدا کرنا شاعر کا خاص کام ہے کم سے کم متاخرین شعرائے فارس نے تو اسی جادو نگاری کی بدولت بقائے دوام کے دربار میں جگہ پائی ہے

شعرا کی زبان میں معشوق کی آنکھ پر چشم غزالاں صدقے ہے۔ رخسار سے شمس و قمر خجل ہیں۔ گلاب کی پنکھڑی لب نازک کی مثال ہے۔ دانت موتی کو شرمندہ کرتے ہیں۔ گردن صراحی دار ہے۔ ذقن سیب ہے۔ قامت سرو و شمشاد ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ دل آویز تشبیہیں جن سے شعرائے اردو کے دواوین رنگین ہیں معشوقان بازاری کا سراپا بیان کرنے کے لیے بہت مناسب ہیں۔ لیکن "ہم شکل مصطفےٰ" اور پسر "حیدر صفدر" کے خط و خال کا ان بیتیں پا افتادہ مضامین سے نقشہ کھینچنا ایک عاشق اہل بیت عجز شاعری سمجھتا ہے۔ وہ ان کے سراپا کی توصیف کے لیے نئی نئی تشبیہیں تلاش کرکے لاتا اور اپنی معجز بیانی کا جلوہ دکھاتا ہے

۔ سراپا ۔

استادہ ہے یہ ماہ بنی ہاشم ذی قدر | دکھلائے تو اس شکل و شمائل کا کوئی بدر
یہ دوش یہ بازو یہ گلو یہ کمر و صدر | یہ عارض و گیسو سحر عید و شب قدر

یاں کون سی نسبت ہے تری شمس و قمر کو
اک رات کو قربان کروں ایک سحر کو

پیشانی پر نور سے ہے رن میں اُجالا | روئے و خط رخسار وہ مہتاب میں ہالا
ابرو ہے کہ سر تیز سر و سہی کا ہے مالا | پلکیں نہیں جھپکیں یہ ہے لشکر تہ و بالا

دیکھے سے اُڑیں ہوش نہ کیوں اہل حسد کے

آنکھیں تو ہیں آہو کی یہ تیور ہیں اسد کے

جلتے رہیں کیونکر نہ مہ و خور سحر و شام   ہے حسن کی آتش سے بھبوکا رخ گلفام
خال اور خطِ سبز وہ دانہ ہے تو یہ دام   ہے سب دلِ عالم کی اسیری کا سرانجام

بینی کو جو دیکھو تو عجب شوکت و شان ہے
یہ حسن علمدار کے لشکر کا نشان ہے

اک جا تو مناسب نہ تھے دو مردم بیمار   صانع نے اُٹھا دی ہے فقط نور کی دیوار
اک شاخ ہے یا دو گل بادام ہیں اظہار   یا یہ الفِ ماہ دو ہفتہ ہے نمودار

خوشبوئے گلستانِ ارم اس میں بھری ہے
گویا ورقِ زر پہ کلی گل کی دھری ہے

یاقوت لبِ سرخ ہیں دندان دُرِ مکنون   دیکھے سے عقیق جگری کا بھی ہے دل خون
کس چیز سے نسبت دہن تنگ کو میں دوں   نایاب ہے عنقا کی طرح طایرِ مضمون

حال اُن کا نزاکت سے کھلیگا نہ کھلا ہے
یاں بابِ سخن بند ہی رکھیے تو بجا ہے

آتی ہے صدا صاف قلم سے دمِ ترقیم   ہے جوہرِ فرد اسکی نہو گی کبھی تقسیم
بینی ہے الف زلف ہے لام اور دہن میم   جو حرف ہے قرآن کا وہ ہے لائقِ تعظیم

وصفِ دہنِ تنگ میں رقت تجھے کیا ہے
کافی ہے بس اتنا ہی کہ اسرارِ خدا ہے

آتی ہے ثنائے دُرِ دندان جو زبان پر   تقریر کے رشتے میں پروتا ہوں میں گوہر
ہیرے کے نگیں اُن سے ہوں کس طرح برابر   یہ بحر شرافت کے ہیں موتی تو وہ پتھر

ہنسنے میں جو پڑ جاتا ہے عکس اُن کا فلک پر
بجلی بھی تڑپ جاتی ہے دانتوں کی چمک پر

دل کس کا نہ گردن کی صفائی پہ ہو قربان — مہتاب کو ہے جس کے گلے ملنے کا ارمان
گویا کہ ہلال شب اول ہے گریبان — شانون کی نشان اسد حق سے ہے کیا شان
حیران تھی نظر دوش مبارک پہ گمان ہے
یاقوت مین خورشید جہانتاب عیان ہے

ہین بازوے عباس کہ شاخ شجر حسن — پڑتی ہے سدا نور پہ جن کے نظر حسن
گھر حسن کا سینہ ہے تو بازو ہین در حسن — طالع ہے کف دست سے مہر سحر حسن
ان ہاتھون سے ہمدست کف حور نہین ہے
خورشید کے پنجہ مین بھی یہ نور نہین ہے

ہر چیز علمدار نے پائی ہی علیؑ کی — اللہ نے تصویر بنائی ہے علیؑ کی
پنجہ ہے علیؑ کا تو کلائی ہی علیؑ کی — ان انگلیون مین عقدہ کشائی ہے علیؑ کی
ورثہ مین ہے زور ان کو ملا حیدر و پدر سے
ہلکا در خیبر کو سمجھتے ہین سپر سے

دیکھو تو کسی شیر نے پایا ہے یہ سینہ — حصہ مین اسی چاند کے آیا ہے یہ سینہ
حق نے ید قدرت سے بنایا ہے یہ سینہ — سینے سے ید اللہ نے لگایا ہے یہ سینہ
فرماتے ہین عاشق ہون مین اس رشک قمر کا
یہ سینہ سپر ہووےگا زہرا کے پسر کا

ہے تا العدم ذہن رسا دوڑ کے جاتا — لیکن کہین مضمون کمر کو نہین پاتا
ہے بال سیہ در نجف مین نظر آتا — مثل رگ گل تاب نزاکت نہین پاتا
اس رشتہ سے محکم کمر مرتضوی ہے
نازک تو ہے پر دین کی پشت اس سے قوی ہے

شمشاد سے بالا قد بالائے مبارک   در پیش ہے اب وصف قدمہائے مبارک
تعویذ شفا نقش کف پائے مبارک   جس جا گذر ان کا ہو وہ ہے جائے مبارک
وان آتے ہین سجدے کو ملک عرش برین کے
احسان ہے انھین پاؤن کے ہین سر پہ زمین کے

پہونچا عجب شکوہ سے رن مین وہ مہ جبین   کوسون فروغ حسن سے روشن ہوئی زمین
آئے رسول حق یہ ہر اک کو ہوا یقین   غل تھا یہ نوجوان تو ہے یوسفؑ سے بھی حسین
تصویر سر سے تا بقدم مصطفیٰؐ کی ہے
اس حسن کے بشر بھی ہین قدرت خدا کی ہے

مثل کمان کشیدہ ہین ابروے بے نظیر   ارجن بھی جس سے سہم کے ہو جائے گوشہ گیر
سر بر نہ ہونے دینگے عدو کو مژہ کے تیر   ہین اس کمان و تیر پہ قربان جوان و پیر
قربان چشم سرمہ کشیدہ کی شان پر
چلہ چڑھا ہوا ہے کیانی کمان پر

آنکھون کو عین کعبہ سمجھتے ہین حق پرست   کیفیت رحیق محبت سے ہین یہ مست
صانع نے کر دیا صف مژگان کا بندوبست   عین الکمال سے انھین پہونچے نہ تا شکست
مردم مین روشنی ہے اسی نور عین سے
دیکھے کوئی ان آنکھون کو چشم حسین سے

ہمشکل ہین جناب رسالت مآب کے   کہتا ہے حسن خود کہ نثار اس شباب کے
گیسو ہین یا ہین ماہ پہ لکے سحاب کے   رخسار ہین کہ پھول کھلے ہین گلاب کے
دونون سے نور مین مہ و خورشید ماند ہین
زلفین گواہ ہین کہ اندھیرے کے چاند ہین

گلزار حسن سے کوئی دیکھے دہن کا رنگ   اڑتا ہے غنچہ و سوسن و یاسمن کا رنگ

شرمندہ ہے لبون سے عقیق یمن کا رنگ　　رنگین بیان ہین سب جدا ہے سخن کا رنگ
بلبل بھی مدح خوان چمن مرتضیٰ کی ہے
غنچہ سے پھول جھڑتے ہین قدرت خدا کی ہے

اللہ رے نور گوہر دندان آبدار　　بجلی چمک رہی ہے بدخشان مین باربار
الماس صدقے حاصل بحر عدن نثار　　ہین گوہر خزینۂ محبوب کردگار
دولت ملی ہے اکبر شیرین مقال کو
ان موتیون سے عشق ہے زہرا کے لال کو

ظاہر ہین اُن کے ہاتھون کی زور آزمائیان　　مثل علی کرین گے صفون کی صفائیان
شرکی ہین رزم مین بدر و اُحد کی لڑائیان　　زور یداللہی سے بھری ہین کلائیان
بالا رہا ہے سب جہان مین علی کا ہاتھ
پہونچے یہ وان جہان نہین پہونچا کسی کا ہاتھ

کس طرح کوئی وصف سراپا کرے رقم　　جلوہ خدا کے نور کا ہے سر سے تا قدم
قطرہ کہان کہان صفت قلزم کرم　　مور ضعیف مدح سلیمان ذی حشم
یان سب تعلیان شعرا کی فضول ہین
بس خاتمہ ہوا کہ شبیہ رسول ہین

خالق جسے اپنے ید قدرت سے بنائے　　خورشید کی کیا تاب جو آنکھ اُس سے ملائے
یہ چاندسی تصویر کہان سے کوئی لائے　　خود ڈھونڈے نظیر اپنا تو عالم مین نہ پائے
چہرہ گل شاداب ہے قد سرو بھی ہے
یوسف شہ والا کے عزیزون مین بھی ہے

ہر شہر مین پیشانی انور کا ہے شہرا　　سجدے کا نشان بھی ہے تکلف ہے دُہرا
گویا ورق ماہ پہ ہے ماہ کا شہرا　　دیکھو سر خورشید پہ طالع ہوا زُہرا

اس طرح کا اختر کوئی دنیا میں نہ دیکھا
موسے نے یہ جلوہ ید بیضا میں نہ دیکھا

غصے سے جو تیوری کو چڑھائے ہے یہ جرار — گویا کہ ہیں دو ناخن شیر ابروے خمدار
بے جنگ ہوئے جاتی ہے گھائل صف کفار — بل جاتے ہیں جس وقت تو چل جاتی ہے تلوار
اس طرح کا صفدر کوئی بستی میں نہیں ہے
یہ کاٹ کبھی تیغ دو دستی میں نہیں ہے

گردون پہ مہ نو کا یہ عالم نہیں دیکھا — شمشیر ہلالی میں یہ دم خم نہیں دیکھا
دونون میں کبھی فاصلہ اک دم نہیں دیکھا — یون ربط کمانون میں بھی باہم نہیں دیکھا
ایک بیت کے یہ مصرع برجستہ ہیں دونون
ظاہر میں کشیدہ ہیں یہ وابستہ ہیں دونون

کہیے مہ نو ان کو تو یہ رو نہیں اس میں — مہتاب کہیں رخ کو تو گیسو نہیں اس میں
ہے اک گل خورشید سو خوشبو نہیں اس میں — آنکھیں نہیں پلکیں نہیں ابرو نہیں اس میں
بو ہے گل تر میں یہ خط و خال کہاں ہے
قد سرو کا موزون ہے تو وہ چال کہاں ہے

آنکھون کو تو دیکھو کہ عجب جلوہ گری ہے — ہان دیدۂ نرگس کا بھی مضمون نظری ہے
حلقے میں سواد شب و نور سحری ہے — یہ چشم میں پتلی ہے کہ شیشے میں پری ہے
یہ شام و سحر حور و ملک نے نہیں دیکھی
آنکھ ایسی کبھی چشم فلک نے نہیں دیکھی

نظرون سے نہ کس طرح گرے دیدۂ آہو — بے لطف ہے جب تک کہ ہو چشم نہ ابرو
آنکھون سے نہان ہے جو رخ سید خوش خو — پتلی صفت قبلہ نما پھرتی ہے ہر سو
روتے ہیں فراق پسر شاہ نجف سے

آنسو نہیں موتی نکل آئے ہیں صدف سے

خط ہے جو شب قدر تو رخ صبح ارم ہے   کیا قدرت حق ہے کہ شب و روز بہم ہے
توصیف میں عاجز دم تحریر قلم ہے   دیکھو خط ریحان ورق زر پہ رقم ہے
پہلو میں سحر کو شب دیجور لیے ہے
ظلمات کو آغوش میں یا حور لیے ہے

یہ حسن کسی شب کی سحر نے نہیں پایا   یہ روئے دل افروز قمر نے نہیں پایا
رنگ لب نازک گل تر نے نہیں پایا   نور اس دُر دندان کا گہر نے نہیں پایا
باہم تو ہیں دونوں کے مگر رنگ الگ ہیں
وہ لعل کے ٹکڑے ہیں یہ الماس کے نگ ہیں

خورشید رخ ان موتیوں کی آب میں دیکھے   ہیرے کی چمک اس دُر نایاب میں دیکھے
ایسے نہ کواکب شب مہتاب میں دیکھے   گردوں نے یہ تارے نہ کبھی خواب میں دیکھے
ٹھہرا جو نہ وہ لایق تشبیہ نظر میں
سوراخ اسی غم سے ہے موتی کے جگر میں

آئینہ کو حیران کیا گردن کی صفا نے   ڈھالا ہے اسے نور کے سانچے میں خدا نے
الماس سے بازو ہیں تو مہتاب سے شانے   شانوں کو تو چوما ہے شہ عقدہ کشا نے
قبضہ کبھی ایسا نہیں شمشیر نے پایا
اس طرح کا پنجہ نہ کسی شیر نے پایا

دستانے ہیں فانوس تو ہے شمع کلائی   یہ رستم دستاں نے بھی قوت نہیں پائی
منہ دیکھ لیں خود بھی یہ ہے تلی میں صفائی   اور ناخن انور کا ہنر عقدہ کشائی
بے تیغ کھنچے ہاتھ کا جوہر نہیں کھلتا
زور ان کا بجز قلعۂ خیبر نہیں کھلتا

انوار الٰہی سے منوّر ہے یہ سینہ   مسکن ہے جہان نور کا وہ گھر ہے یہ سینہ
ہم مرتبۂ سینۂ حیدر ہے یہ سینہ   عدل و کرم و داد کا مصدر ہے یہ سینہ
ہے عطر کی خوشبو کہ پسینہ ہے قبا مین
جزدان مین مصحف ہے کہ سینہ ہے قبا مین

اسکی کرامت کا کیا حال کہون آہ   ختم ہوگئی مرجانے سے جس کے کرشاہ
جس جا پہ ہو نقش قدم ابن یداللہ   مٹنے سے وہ مثل خط قسمت نہین آگاہ
اُس خاک پہ کیون رشک نہو چرخ برین کو
گر زلزلہ آئے تو نہ جنبش ہو زمین کو

گیسوئے مسلسل رخ روشن پہ جو ہین چار   ہے اُن سے عیان سلسلۂ احمد مختار
یہ مصحف رخسار کی سطرین ہین نمودار   ہین معنی پیچیدہ کھلے گر تو ہو طومار
زلفون مین کرو غور ذرا رخ کی ضیا کو
دیکھو شب معراج مین محبوب خدا کو

چہرے کو اگر صبح کہین زلف کو گر رات   دل ہوتا ہے جب خلق سے کرتی ہے سفر رات
دنیا مین سدا شام سے ہے تا بہ سحر رات   یان بیچ مین خورشید ادھر رات اُدھر رات
گیسوئے رسا روئے دل افروز بہم ہے
کیا قدرت حق ہے کہ شب و روز بہم ہے

دنیا مین کوئی آج نہین ثانئ اکبر   یوسف کی زبان پر ہے ثنا خوانی اکبر
یہ ماہ دو ہفتہ ہے کہ پیشانی اکبر   خورشید ہے یا چہرۂ نورانی اکبر
یہ جلوہ گری ہمسر کے پر تو مین نہین ہے
ابرو مین جو خم ہے تو زمین مین نہین ہے

ابرو جو کمان ہین تو ہین مژگان سے تیر   ہے جن کے ہر اک گوشے پہ قربان دل شبیر

ہے دیدہ وابرو سے عیان جنگ کی تصویر دو مردم خونریز ہین کھینچے ہوے شمشیر
اب دیکھین تو کون آنکھ ملا سکتا ہے رن مین
اُلٹین گی صفین فوج کی اک چشم زدن مین

آغاز ہے سبزہ انھین اٹھاردان ہے سال کس فصل مین اس گل کو خزان کرتی ہے پامال
اک نور مجسم ہے زہے حشمت و اجلال خورشید پہ نقطے ہین کہ رخسارون پہ ہین خال
سیّارے ہون اسپند جو سارے تو بجا ہے
تارون کو فلک اُن پہ اُتارے تو بجا ہے

سبزہ رخ گلگون پہ نکلنے نہین پایا یہ نخل ذرا جھولنے پھلنے نہین پایا
موسم بھی لڑکپن کا بدلنے نہین پایا ہاتھون مین حنا بیاہ کی ملنے نہین پایا
چہرہ سے عیان ہے نہ جوانی مین کمی کم ہے
دو سال ابھی عشرۂ ثانی مین بھی کم ہے

بستہ ہے کہ غنچہ ہے دہن عقل ہے یان گم لالے کی کلی مین نہین دیکھا یہ تبسم
دانتون کی چمک دیکھ کے ہنگام تکلم اشکون کی طرح آنکھ سے گر جاتے ہین انجم
تابش مین جو دندان شکن برق ہوے ہین
دریاے خجالت مین گہر غرق ہوے ہین

بے مثل ہے یہ گردن و بازو و بر و دوش ساعد کی ضیا دیکھ کے موسیٰ کے اُڑے ہوش
ہے ضو سے ہتیلی کی قمر ابر مین روپوش یہ اُنگلیان روشن ہین کہ شمعین ہوئین خاموش
ناخن نے دکھایا جو رخ جلوہ گر اپنا
شرما کے مہِ نو نے جھکایا ہے سر اپنا

سینہ ہے وہ سینہ کہ جو کینے سے بری ہے نور اس مین ہے یا آئینہ مین عکس پری ہے
کب قرصِ مہ و مہر مین یہ جلوہ گری ہے یان روشنیِ طورِ چراغ سحری ہے

دیکھے جو اُسے علم کے گنجینے کو دیکھے
اس سینے کو جو دیکھے تو آئینے کو دیکھے
بے مثل ہے سینے کی طرح یہ شکم صاف   ہے صاف تو یہ بات کہ دشوار ہیں اوصاف
دیکھیں جو نظر بھر کے اسے صاحبِ انصاف   خورشید سے روشن ہے تو آئینے سے شفاف
ضو ایسی نہ آئینۂ مہتاب میں دیکھی
مخمل نے یہ نرمی نہ کبھی خواب میں دیکھی
ہیں اُن کے قدم راہ روِ جادۂ تسلیم   ہاتھ آئے ہیں کیا پاؤں رہے عزت و تکریم
ان قدموں پہ جو سر ہو وہ ہے لائقِ تعظیم   ثابت قدمی اُن سے سدا پاتی ہے تعلیم
روشن جو زمیں سے ہے تو یہ پرتو ہے انھیں کا
جو راہِ خدا میں ہے وہ پیرو ہے انھیں کا
کہتا ہے کوئی چشم کو نرگس کوئی آہو   اُس کی تو بصارت نہیں اس کی نہیں ابرو
چہرے کو کہا گر گلِ مہتاب سے یہ رُو   اُس میں نہ یہ سبزہ نہ یہ سرخی نہ یہ خوشبو
بے بو ہے وہ اک پھول۔ یہاں باغ لگا ہے
ہر چیز میں بس ایک نہ ایک داغ لگا ہے
دانتوں کو گہر مرثیہ گو کہتے ہیں سارے   بتلاؤ گہر خوب ہیں یا عرش کے تارے
یہ دُرِّ نجف وہ ہیں علیؑ کو جو ہیں پیارے   تاروں کو بھی صدقے فلک اُن پر سے اُتارے
کیا وصف کروں اُن کا سوا اصلِ علیؑ کے
گوہر نہیں قطرے ہیں یہ سب نورِ خدا کے
لب کو جو کہا لعل یہ مضموں ہے بے رنگ   اس طرح کے قابل نہیں ہے یہ دہن تنگ
بولو لبِ جاں بخش کا ہوتا ہے یہی ڈھنگ   اعجازِ مسیحا کا دکھائے تو کوئی رنگ
قدرت نہیں ان ہونٹوں کے اوصاف کی ہم میں

یہ وہ ہیں کہ مردوں کو جلا دیتے ہیں دم میں

قامت کو کہا سرو تو چال اس میں کہاں ہے　　یہ سیب زقن یہ خط و خال اس میں کہاں ہے
چمن یہ صورت یہ جمال اس میں کہاں ہے　　یہ رعب یہ شوکت یہ جلال اس میں کہاں ہے
گل ہو کہ ثمر بو نہیں یا بد مزگی ہے
ہر شے میں غرض ایک نہ اک شاخ لگی ہے

اک شور تھا کہ آج زمین آسمان ہے　　صحرائے کربلا نہیں دنیا کی جان ہے
اترا زمیں پہ چاند یہ خالق کی شان ہے　　رضوان نے دی ندا کہ خدا مہربان ہے
پرتو ہے یہ رخ خلف بوتراب کا
دیکھو الٹ گیا ہے ورق آفتاب کا

نقش سم فرس کی ضیا پر کرو خیال　　اختر کہیں ہے بدر کہیں ہے کہیں ہلال
ہے دوپہر کے بعد سدا شمس کو زوال　　یاں ہے وہی عروج زہے حشمت و جلال
پروانہ آفتاب ہے چہرے کے نور پر
گھوڑے پر آپ ہیں کہ تجلی ہے طور پر

آئینہ جبیں سے صفا آشکار ہے　　ابرو سے ماہ رخ سے ضیا آشکار ہے
چشم گہر فشاں سے حیا آشکار ہے　　رخ سے جلال شیر خدا آشکار ہے
رستم بھی چڑھ سکیگا نہ منھ پر دلیر کے
چہرہ تو حور کا ہے یہ تیور ہیں شیر کے

نور جبیں نے جلوۂ قدرت دکھا دیا　　چہرے نے حسن صبح صباحت دکھا دیا
ابرو نے رنگ تیغ شجاعت دکھا دیا　　قامت نے سب کو طور قیامت دکھا دیا
جنگل کو بوئے کوچۂ گیسو بسا گئی
ہر طرف سے نکہت گل فردوس آ گئی

نازک لب مین جہان چشم مین سحر حلال ہے　　پتلی نہین ہے چہرۂ یوسف کا خال ہے
تعریف کیا کرون کہ دہن بے مثال ہے　　تقسیم جزوِ لایتجزّی محال ہے
ٹھہرالیا ہے نقطۂ فرضی دہن نہین
اسرارِ کردگار مین جائے سخن نہین

شیرین لبون کی مدح مین اب ناطقہ ہے بند　　لائیگا ہر سخن مین نمک یہ کہان سے قند
پھیکی جو بات ہو وہ زبان کو نہین پسند　　عالم ہے ان کے شورِ تکلم سے بہرہ مند
نہ قند مین یہ لطف نہ شاخِ نبات مین
صانع نے بھر دیا ہے مزا بات بات مین

بے مثل ہے خوشا دُرِ دندان کی آب و تاب　　دُرِّ عدن کو دیتے ہین دندان شکن جواب
یوسف نے دیکھے تھے یہی اختر میان خواب　　طالع چمک گئے مہِ کنعان ملا خطاب
باتون مین لب جو ہلتے ہین اس خوش خصال کے
ہیرے کی چوٹ پڑتی ہے ٹکڑون پہ لال کے

روشن گر زمانہ ہے صبحِ گلو کا نور　　دیکھے اگر تو شرم سے گردن جھکائے حور
نورِ خدا کا صاف گریبان سے ہے ظہور　　پروانہ شمعِ حسن پہ جس کے چراغِ طور
بوسون کو حورین رہ گئی ہین ہونٹ چاٹ کے
پریون نے جان دی ہے گلے کاٹ کاٹ کے

طاقت بھی اُنکے بازوون کا ایک نام ہے　　زور اُن کا خانہ زاد۔ تہوّر غلام ہے
اقبال اُن کے گھر کا مدار المہام ہے　　اُنکے جلو مین فتح و ظفر صبح و شام ہے
ہر دم قشونِ جاہ و حشم ساتھ رہتے ہین
نصرت کو اُن کی غاشیہ بردار کہتے ہین

میر صاحب نے صنائع لفظی پر زیادہ توجہ نہین کی۔ مراعات النظیر کی مثالین اُن کے کلام مین بعض جگہ پائی جاتی ہین۔ اس کو بھی وہ عیب سمجھتے تھے۔ کسی شخص نے اُن سے دریافت کیا کہ "آپ رعایت لفظی کو پسند کرتے ہین" تو ارشاد ہوا "کیا کرون لکھنؤ مین رہنا ہے"۔
بعض شعرائے لکھنؤ نے بے نقط سلام اور مرثیے کہے تھے اس لیے میر صاحب کو بھی ایک مرثیہ مین چند بے نقط بند تصنیف فرمانا پڑے تاکہ نافہم یہ شک نہ کرین کہ ملک سخن کا خداوند صنائع لفظی کے استعمال سے عاجز ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

— بے نقط —

وہ طاہر و اطہر ہو اگر معرکہ آرا معلوم ہو حملہ اسداللہ کا سارا
آگاہ ہو کس طرح کہو عمر کو مارا صمصام کا اک وار ہوا کس کو گوارا
اللہ۔ گر اک دم کو وہ صمصام علم ہو
ہر روح کو اُس دم ہوس ملک عدم ہو

سردار امم محرم اسرار محمدؐ ہمرو اسداللہ کا دلدار محمدؐ
دلدار و دل آرام مددگار محمدؐ ممدوح ملک مالک سرکار محمدؐ
سرور کہو اسلام کا اُس مالک کل کو
آرام دو اک دم دل سردار رسل کو

کس کا اسداللہ سا ہوا والد مرحوم حلّال ہمہ مالک کل طاہر و معصوم
ہمدرد و مددگار حرم دل سرور ہموم آسودہ ہو ہر سالک گمراہ و محروم
معصوم کا دلدار ہو سالار امم ہو
اولاد کو اس عالم و عادل کو الم ہو

اس طرح کا والا ہمم اس طرح کا سردار اس طرح کا عالم کا مدد اور مددگار
وہ مصدر الہام احد محرم اسرار وہ اصل اصول کرم داور دادار

حاصل اگر اک مرد دل آگاہ کو مارا
مارا اگر اس کو اسداللہ کو مارا

علامہ شبلی نے اپنے "موازنہ" میں کلام انیس پر ایسا مفصل تبصرہ کیا ہے کہ اس بحث پر زیادہ لکھنا ممکن نہیں۔ البتہ ادب اردو کے لیے مفید ہوگا اگر اس موقع پر بطور مشتے نمونہ از خروارے چند ایسے الفاظ و محاورات نقل کیے جاویں جن کے طرز استعمال میں میر صاحب جمہور سے اختلاف کرتے ہیں۔ یہ مسلّم ہے کہ وہ اہل دہلی کے خلاف "فکر" اور "سانس" کو ہمیشہ مؤنث نظم کرتے ہیں اور جگہ کو "جاگہ" بولتے ہیں لیکن اشعار مندرجہ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بیگمات کی خاص زبان کو ترجیح دیتے ہیں اور استعمال فصحا کو قواعد کا پابند نہیں سمجھتے۔

ردّ و بدل (مؤنث)

وہ ڈھونڈتے ہیں تو یہ سپر آہنین میں تھی   اس نے غضب کی ردّ و بدل کفروین میں کی تھی

حلق (مذکر)

آج احمدؐ و حیدرؑ کے گریبان پھٹیں گے   اٹھارہ بنی فاطمہ کے حلق کٹیں گے

حرم۔ ناموس (مذکر)

ناموس مصطفےٰؐ اُسے رو کا کیے کمال   لیکن رُکا کسی سے نہ ہرگز وہ خورد سال

۔ ایضاً ۔

ڈیوڑھی پہ جو ناقوں کو بٹھایا حرم اُترے   نیچے لیے ناموس امام امم اُترے

تبرکات (واحد)

موقع نہیں ہے ابھی سترِ یا دو آہ کا   لاؤ تبرکات رسالت پناہ کا

قامت (مؤنث)

سرو شرمائے قد اس طرح کا قامت ایسی
اسداللہ کی تصویر تھے صورت ایسی

مقال (مذکر)

بی بیون سے کیا زینب نے جو ذکر مقال صفِ ماتم سے وہ گھبرا کے اُٹھیں سب فی الحال

جھانجھ (مذکر)

سنکر دہل کا شور کلیجے دہلتے تھے تھرا کے جھانجھ بھی کفِ افسوس ملتے تھے

چکاچوند (بمعنی چکاچوند مین مبتلا)

ان چاند سے چہرون کا جو ہے عکس زمین پر خورشید چکاچوند ہے وان عرشِ برین پر

والدہ صاحب (بجائے صاحبہ)

دونون نے کہا جوڑ کے ہاتھون کو یہ اک بار اے والدہ صاحب یہ نہ فرمائیے زنہار

بغی (بجائے باغی)

تب اُس لعین نے چین بجبین ہو کے یہ کہا حاکم سے جو بغی ہو تجھے اُس سے کام کیا

خوشی ہونا (خوش ہونے کی جگہ)

مادر کے رخِ پاک کو تکنے لگے اصغرؑ جھولے مین خوشی ہو کے ہُمکنے لگے اصغرؑ

- ایضاً -

اس مژدہ کو سنتے ہی خوشی ہو گئی شیرین

باری (بجائے یار)

آتش مین صفِ لشکر ناری نظر آئی حملون مین قیامت کئی باری نظر آئی

شکریہ (بغیر تشدید یا)

فرماتے تھے ہر بار کہ جو مرضیِ باری گہ شکریہ کرتے تھے کبھی گریہ وزاری

اُتارا۔ فوج آئی ہے جلدی کرو ساحل سے کنارا ہوگا لبِ جو شام کے لشکر کا اُتارا

ہتوا لسنا

ہتوالسن کے تیغ و سپر اکبرؑ یہ پکارے کیا کہتے ہو بیہودہ سخن منہ پہ ہمارے

شمشیر اُگلنا۔

کس قہر سے دیکھا طرفِ لشکرِ بے پیر بل آگیا ابرو پہ اُگلنے لگے شمشیر

جُو اگر (جُو زائد)

خادم شہِ دین کے ہیں تو عباس علی ہیں اس عہدہ کے لایق جو اگر ہیں تو وہی ہیں

سجائی۔ (سجاوٹ کی جگہ)

ع چہرہ کی سجائی سے قبا چست ہے تن کی

گودی (گود کی جگہ)

ع گودی میں گئی باپ کے گھبرا کے وہ بے آس

کمرون (بسکون میم)

ع کمرون کو کسو گلشن جنت کے سفر پہ

رُندھنا (افسردہ و دلگیر ہونا)

کرتی تھی بیان زوجہ مسلم یہی پیہم کیا ہے کہ رُندھی جاتی ہوں گھٹتا ہے مرا دم

خشکیدہ (سوکھی)

ع خشکیدہ زبانوں پہ سخن شکر کا جاری

گھمسان کرنا۔

جس صف پہ چمک کر گری گھمسان کرائی جمعیتِ اعدا کو پریشان کرائی

دل رُندھ جانا

دل رُندھ گئے تھے تیر گئے دشتِ بلا سے رد تے تھے حرم خیمہ میں بیٹھے ہوئے پیاسے

وَر (بمعنی غالب)

طینت میں وفا رچ پہ شجاعت کے اثر تھے

گنتی میں بہتّر تھے مگر لاکھ پہ وَر تھے

شمشیر کرنا (یعنی تلوار چلانا)

مین مرا جاتا ہون بلند نہ شمشیر کرو   بخشوانے کی گنہگارون کی تدبیر کرو

تربھر۔

تربھر تمام ہو گئی وہ شام کی سپاہ   پہونچا کچھار مین لپسرِ ضیغم آلہ

فرق (بمعنی روک۔ بندش۔ مناہی۔)

پانی کا فرق خاص ہے مجھ دل فگار پر   کھائیگا کیا نہ کوئی ترس شیر خوار پر

کاہیکا۔

پیاسے ہین تین دن سے امام فلک وقار   کاہیکا ہے یہ خوف بڑھو بہر کارزار

حق بطرف۔

شہ کا تو حق بطرف ہے کہ بھائی ایسا   حسن سے جسکے منور ہوا میدانِ وغا

گھنیری (گھنی جگہ)

وان یہ گلرو ہون جہان چھاؤن گھنیری ہووے   عمر بھر گر انھین دیکھین تو نہ سیری ہووے

نراسا (بمعنی مایوس)

اُس طرف سے وہ پریشان نراسے بھی بڑھے   نیمچے تول کے حیدرؑ کے نواسے بھی بڑھے

گُلُّھم۔

سب آزمودہ کار قوی تن جوان ہین   اور گُلُّھم ادھر تو بہتّر جوان ہین

کمتی۔

کمتی تھی بس اسی کی ہماری سپاہ مین   پہلے شہید ہوگا یہی حق کی راہ مین

علّامہ شبلی نے "موازنہ" مین اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ "کمتی" اراذل و انفار کی زبان ہے، لیکن محلاتِ شاہی مین یہ لفظ برابر استعمال کیا جاتا تھا۔ اور لکھنؤ کی شریف زادیان ہنوز اس لفظ کو بے تکلف بولتی ہین۔ میر انیس نے یہ لفظ مختلف موقعون پر استعمال کیا ہے اور

میر صاحب کا کسی لفظ کے نظم کرنے پر اصرار کرنا اُس کی فصاحت کی کافی دلیل ہے بقول کسی لکھنوی

بیرونیوں کو چاہیے تقلیدِ لکھنؤ
ہم خود سند ہیں ہم کو سند کیا ضرور ہے

ناظرین کتاب یہ نکتہ فراموش نہ کریں کہ میر انیس کا کلام تقریباً نصف صدی کی زبان کا مجموعہ ہے۔ بعض الفاظ و محاورات جو اُن کی نوعمری میں مستعمل تھے پختہ مشقی کے دور تک باقی نہیں رہے اور اُن کی پیرانہ سالی میں زبانِ اردو بہت صاف و شستہ ہو چکی تھی۔

ابتدائی کلام میں بہت سے ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن کو آخر زمانہ میں اُنھوں نے ترک کر دیا تھا۔ علاوہ اس کے اُن کے مطبوعہ کلیات میں اغلاط کتابت اور تحریفات کو بھی کافی دخل ہے۔ اس لیے جب تک کوئی انوکھا محاورہ کلیات میں متعدد مقامات پر نہ دیکھا جائے اور آخری زمانہ کے کلام میں بھی نہ پایا جائے بطور سند کے نہیں پیش کیا جا سکتا۔

عرصہ ہوا مولوی عبد الغفور نسّاخ نے ایک رسالہ میر انیس اور مرزا دبیر کے اغلاط کے متعلق لکھا تھا۔ اور میر صاحب کے کلام پر بعض اعتراضات بڑے زور شور سے کیے تھے لیکن اُن میں سے بیشتر کی بنیاد یہ غلط فہمی تھی کہ اُنھوں نے کتابت کی غلطیوں کو میر صاحب کی طرف منسوب کیا۔

مثلاً میر صاحب کا ایک مصرعہ ہے۔ "بیوہ ہوئی ایک رات کی بیاہی ہوئی دختر" یہ کلیات میں اس طرح چھپا۔ "رانڈ ہوتی ہے ایک رات کی بیاہی ہوئی دختر" نسّاخ کو اعتراض کا موقع ملا کہ حروف تقطیع میں گرتے ہیں!! ۔ یا میر صاحب نے فرمایا تھا "ہو مغفرت خلیق کی یا خالق الانام" کلیات میں شائع ہوا۔ "ہو مغفرت خلیق کی یا ربّ ذو الکرام" اور معترض کو یہ لکھنے کا موقع ملا کہ "ذو الکرام" مہمل لفظ ہے!!

سب سے بڑھ کر ستم یہ کہ میر صاحب کا مصرعۂ ذیل

اُترا یہ سخن کہکے وہ کونین کا والی

کلیات مین اس طرح چھپ گیا۔

اُترا یہ سخن کہکے وہ کونین کا عالی

مین:

"واو" کی جگہ "عین" نے لی اور معترض کو طومار اغلاط مین ایک نمبر بڑھانے کے لیے روشنائی ہاتھ آئی۔ اعتراض جڑ دیا کہ "کونین کا عالی" غلط ہے۔!!!

اسی قسم کے بے بنیاد اعتراضات مرزا دبیر کے کلام پر بھی کیے گئے تھے۔ مگر بعد کو اُن کے ایک قدر شناس نے "دفتر ماتم" کافی صحت و اہتمام سے شائع کیا اور معترض کی زبان بندی کر دی۔ افسوس ہے میر صاحب کا کلیات ہنوز اغلاط کتابت سے صاف نہین ہوا۔ حال مین نظامی پریس بدایون سے جو ایک جدید اڈیشن کلیات کا بڑی آب و تاب سے شایع کیا گیا ہے اُس مین بھی وہ تمام غلطیان دور نہین کی گئین جن کی طرف مرزا محمد رضا متخلص بہ معجز نے تطہیر الاوساخ مین اشارہ کیا تھا۔ یہ کتاب اعتراضات نساخ کے جواب مین شعلۂ طور کانپور سے ۱۲۹۶ھ مین شایع ہوئی تھی اور اب کیاب ہے۔ چندروز مین یہ مفید رسالہ تلاش سے بھی نہ ملیگا۔ اور آیندہ نسل سمجھے گی کہ میر انیس نے واقعی "رب ذو الکرام" ہی نظم کیا ہوگا۔ نظامی پریس نے وفاداری سلطنت کے جوش مین میر صاحب کے کلام پر اصلاح دینے مین بھی تامل نہین کیا ہے۔ انتزاع سلطنت اودھ سے دل شکستہ ہوکر میر صاحب نے ایک رباعی کہی تھی جس کا پہلا شعر ہے۔

کیونکر دل غمزدہ نہ فریاد کرے   جب ملک کو یون غنیم برباد کرے

لفظ نظامی پریس کو ناگوار ہے۔ اس لیے یون اصلاح دیجاتی ہے۔

کیونکر دلِ غمزدہ نہ فریاد کرے   جب ملک کو چرخِ پیر برباد کرے

بس بقدر ہمت اوست۔

مختصر میر انیس سادگی بیان۔ شیرینیٔ زبان۔ صفائی روزمرہ۔ خوبی بندش مین بے مثل واقعہ نگاری مین لاجواب اور حفظ مراتب مین بے نظیر تھے۔ نازک خیالی اُن کا

حصہ تھا اور کشش تاثیر سے تو شاید ہی کوئی بند اُن کا خالی ہوتا ہو۔

انگلستان کے مشہور سخن سنج ملٹن نے کہا تھا کہ "بہترین نظم وہ ہے جو نازک خیالی اور تاثیر ہو" یہ تمام اوصاف اس خوبی سے کلام انیس میں خود بخود جمع ہو گئے ہیں کہ ایک ظریف کے قول کے مطابق ملٹن کے مقولہ کو زمانۂ حال میں یوں ترمیم کرنا چاہیے کہ "بہترین نظم وہ ہے جو جناب انیس کی زبانِ مبارک سے نکلی ہو"۔

اُن کا پاکیزہ کلام بہترین اصناف سخن کا جامع ہے۔ اس میں ڈراما بھی ہے اور ایک بھی۔ تشبیب و غزل ہے۔ اور رباعی مسدس بھی۔ واقعہ نگاری ہے اور اظہار جذبات بھی۔ بلاغت کا انداز ہے اور فصاحت بھی۔ استعارات و تشبیہات ہیں اور صنائع و بدائع بھی۔ مناظر قدرت کے نوٹو ہیں اور خیال آفرینی بھی۔ فخر و خود ستائی ہے اور عجز و انکسار بھی۔ رزم و بزم ہے اور اصلاح اخلاق بھی۔ محاورہ بندی روز مرّہ ہے۔ اور توازن و تناسب الفاظ بھی۔

مولانا حالی نے خوب کہا ہے:-

اردو کو راج چار سو تیرا ہے — شہروں میں رواج کو بکو تیرا ہے
پر جب تک انیس کا سخن باقی ہے — تو لکھنؤ کی ہے لکھنؤ تیرا ہے

خاتمہ

یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر — اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر — گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیم سخن میری قلمرو سے نہ جائے
اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری — بلبل کی زبان پر ہے تری شکرگزاری

ل برومند ہے یا حضرت باری   پھل ہمکو بھی ملجائے ریاضت کا ہماری

دہ گل ہون عنایت جو سخن طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولون کی بو کو

بندۂ ناچیز نے مختلف کیاریون سے پھول چن کر گلدستہ بنایا اور شہریاران اقلیم فصاحت کی سرکار مین نذر کرنے کو لے چلا۔ غمازون نے پردہ دری کی ۔

اپنی تصویر پہ نازان ہو تمھارا کیا ہے   آنکھ نرگس کی دہن غنچہ کا حیرت میری

کلیان اشہری کے گلزار سے چنین۔ گلہائے شگفتہ احسن کے لالہ زار سے توڑے۔ پتیان ثابت کے سدا بہار سے لین۔ بندش شبلی کے مرغزار سے اڑائی۔ سوت کا ڈورا لیکر یوسف کی خریداری کو جاتا ہے۔ ہاتف غیب نے آواز دی کہ۔

حاسد کا دل جلے نہ تو ارد کے داغ سے   روشن چراغ ہوتے ہین نثلو۔ اک چراغ سے

سادہ کار دوسرے کی انگوٹھی پر نگینہ جڑتا ہے اور انعام پاتا ہے۔ ساقی۔ پیر مغان کی شراب اندازے پلاتا ہے اور دعائین لیتا ہے۔ مرقع ساز پرائی تصویر چوکھٹے مین سجاتا اور صنّاع کہلاتا ہے۔ باغبان روشون کو جھاڑ جھنکاڑ سے صاف کرتا۔ پھول پتی کے خوبصورت چمن جدا جدا بناتا۔ سرو و شمشاد کے پودے مختلف مقامات سے لاکر قرینہ قرینہ سے لگاتا اور تمغۂ امتیاز پاتا ہے۔ سلیقہ شعار سکریٹری ڈرائنگ ردم کے دروازون پر گوہر نگار پردے آویزان کراتا۔ دیوارون پر نقش و نگار کرے کمرے کو جھاڑ فانوس کنول سے دلھن بنا دیتا ہے اور خطاب پاتا ہے۔

ہے کہ حضرت ممدوح کے فیض نسبت سے خارِ خطا پر صادِ صواب کا دامن سایہ گستر ہو ن کے چھینٹون سے مرجھائے ہوئے پھولون مین وہ مہک پیدا ہو کہ اُن کی خوشبو مدت ناسون کے دماغ کو طبلۂ عطار بنائے رکھے۔

غارتِ بت خانۂ چین کردہ ام   امیر احمد علوی پنج چھاؤنی
تا صنمے چند گزین کردہ ام   ۲۳۔ محرم سنہ ۱۳۴۴ھ

سنہ ۱۹۲۵ عیسوی

DUE DATE

Date	No.	Date	No.